اونگھتے ہوئے اس نے ایک اکتائی سی نظر اردگرد ڈالی۔ تھکی تھکی کمزور سی دھوپ بھی اپنے پر سمیٹتے دیواروں کے کناروں سے نکل کر درختوں کی پھنگ کو الوداعی بوسہ دے رہی تھی۔ اس نے یونہی سستی سے اپنی گود میں دھری کتاب کو دیکھا پھر دونوں ہاتھ جرسی کی جیبوں میں ڈال کر کرسی کی پشت پر سر رکھ کر آسمان کی نیلی وسعتوں کو دیکھنے لگی۔

زندگی کتنی بے رنگ اور بے رونق ہے۔ واپسی کے لیے جاتے پرندوں کو دیکھتے اس نے آزردگی سے سوچا۔ نہ ہی کوئی ہلچل، نہ ہی کوئی ہنگامہ، بدمزا سی۔

"اللہ جی۔ آپ ہی کچھ انتظام کردیں۔"

آنکھیں موند کر اس نے دعا مانگی۔

گھر میں اس وقت سناٹا تھا۔ سب پھپھو کی طرف گئے ہوئے تھے۔ سوائے اس کے کیونکہ کل اس کے تین ٹیسٹ تھے۔ وہ تو بہت جھنجلائی مگر ایمن نے اس کی ایک نہ سنی، سو مجبوراً وہ بور ہوتی تنہائی میں اکتائی ہوئی سی بیٹھی تھی۔ تب ہی بھابھی نے کمرے کا دروازہ کھول کر باہر جھانکا۔ ان کی عیاری آنکھوں نے اردگرد کے سناٹے کا جائزہ لیا۔ میشا کو آنکھیں موندے آرام سے بیٹھا دیکھ کر قدرے ناگواری سے دروازہ کو قصداً زور سے بند کیا تھا۔ نتیجہ حسب خواہش نکلا۔ اس نے گھبرا کر آنکھیں کھول کر سامنے دیکھا تو بھابھی بیگم کو کئی گھنٹوں بعد صحن کو رونق بخشتے دیکھ کر

صدف عمر

مکمل ناول

زلیست خوش رنگ بھی ہے

www.dailyurdubooks.com

سیدھی ہو بیٹھی۔ آج تو وہ جو بارہ بجے سے کمرے میں گھسیں تو شام ہونے کو آئی اب نکلی تھیں۔

"توبہ ہے۔ اس گھر میں تو کسی کو بھی ذرا جو احساس ہو میرا۔ مروں یا جیوں کسی کو پروا نہیں۔" بڑبڑاتے ہوئے انہوں نے گود میں چڑھے دو سالہ ٹیپو کو تخت پر پٹخا۔

خاموش سی بیٹھی ہوئی ہیشا نے ان کے بگڑے تیور دیکھے تو مزید ڈر سی گئی۔

"سر درد سے پھٹا جا رہا ہے۔ شام ہونے کو آئی ہے مگر مجال ہے کسی نے ایک کپ چائے کا بھی پوچھا ہو۔ ہاں جی۔ نوکرانی ہوں نا ان کی۔ خود ہی بناؤں گی نہ صرف اپنے لیے بلکہ ان کے پورے ٹبر کے لیے بھی۔ ہونہہ، کٹھیا، بے حس لوگ۔"

کچن تک جاتے پھر برتنوں کو پٹخ پٹخ کر رکھتے ان کی بڑبڑاہٹ جاری تھی اور یہ جاری وہی بھی تھی۔ وہ اپنی عادت و فطرت سے مجبور تھیں۔

www.dailyurdubooks.com

اور میشا ان کی باتوں پر کڑھتے اپنے ہونٹوں کو سختی سے بھینچے دل گرفتی سے سوچ رہی تھی کہ نجانے بعض لوگوں کو دوسروں کو بلاوجہ ستا کر کیا ملتا ہے؟ نہ ہی کوئی بات ہوئی اور نہ ہی کوئی وجہ تھی مگر بھابھی حسب روایت خود ہی بات بات پر اجھتیں، جھنجلاتیں دوسرا فریق چاہے خاموش ہی کیوں نہ ہو۔ انہیں اس پر بھی مزید غصہ آتا سامنے والا گھنا میسنا لگتا۔ چاہتیں کہ مقابل انہیں جواب دے۔ اکثر تو میشا کا دل چاہتا کہ انہیں خوب کھری کھری سنا دے، وہ چڑ کر آپی سے پوچھتی۔

"آپ لوگ انہیں کچھ کہتے کیوں نہیں، فضول میں لڑتی رہتی ہیں۔"

"چھوڑو جان۔ بعض لوگ تو چلتی ہواؤں سے بھی لڑتے ہیں وہ اپنی فطرت سے مجبور ہوتے ہیں۔ ہم کیوں ان سے الجھ کر اپنے ظرف کو چھوٹا کریں۔"

آپی نرمی سے اسے سمجھاتیں تو وہ منہ پھلا کر مزید ناراض ہو جاتی۔

"لو بھلا یہ کیا بات ہوئی؟ اگلا چاہے باتوں سے چھلنی چھلنی کر دے مگر ہم کچھ نہ بولیں ہونہہ! بیکار کے اصول، کوئی گولڈ میڈل نہیں ملنا ہمیں۔"

وہ گھنٹوں بڑبڑائے جاتی اور آپی اس کی کڑھن پر نرمی سے مسکرا دیتیں۔ جانتی تھیں کہ زبان سے چاہے وہ لاکھ نہ مانے مگر خود وہ ایسی ہی تھی، بامروت بالحاظ۔

اس وقت بھی بھابھی کی بڑبڑاہٹوں کو ہونٹ بھینچے سنتے ہوئے وہ سامنے تخت سے اترنے کی کوشش کرتے ٹیپو کو دیکھتی رہی ادھر ٹیپو تخت سے نیچے گرا ادھر موذن کی پکار بلند ہوئی۔ میشا نے ہڑبڑا کر دوپٹا سر پر ڈالا اور ٹیپو کی طرف بھاگی جواب اب حلق پھاڑ پھاڑ کر زور سے رو رہا تھا۔ بھابھی کڑے تیور لیے کچن سے نکلیں اور سامنے گرے ٹیپو کو دیکھ کر ان کا پارہ مزید چڑھ گیا۔

"منحوس کہیں کا، پورا دودھیال پر پڑا ہے بے صبرا۔ مجال ہے جو چند لمحے کہیں پہ ٹک کر بیٹھنا جانتا ہو۔ ذرا اپنے لیے چائے کیا بنانے چلی گئی سر سجا لیا اپنا۔ بدبخت!

میشا ان کی چیخ و پکار پر ڈر کر چند قدم کے فاصلے پر ہی رک گئی۔ اس کی اتنی ہمت نہ ہو سکی کہ آگے بڑھ کر روتے ہوئے بھتیجے کو اٹھا سکے۔ انہوں نے سہمی ہوئی میشا کو دیکھا پھر تڑخ کر بولیں۔

"دیکھ کیا رہی ہو۔ اٹھا اس باجے کو میں ذرا چائے ہی بنا لوں۔"

ان کے چلانے پر اس نے جلدی سے آگے بڑھ ٹیپو کو اٹھا کر کندھے سے لگا لیا۔ وہ اسی تیور سے واپس کچن میں چلی گئیں۔ بچے کو شاید زیادہ ہی لگی تھی۔ جو اس کے بہلانے پر چپ ہی نہیں ہو رہا تھا۔

"یا اللہ، کیا کروں۔ نماز بھی قضا ہو رہی ہے۔" روہانسے انداز میں اس نے برآمدے میں لگی گھڑی کو دیکھا پھر روتے ہوئے ٹیپو کو لے کر مارچ پاسٹ کرنے لگی۔

"لاؤ اسے، ایک ذرا سا کام بھی تم ڈھنگ سے نہیں ہو رہا۔"

کچن سے چائے اور لوازمات سے بھری ٹرے لے کر وہ نکلیں تو بڑی بے نیازی سے بولیں۔ وہ ان کے پیچھے پیچھے کمرے کے دروازے تک گئی۔ پھر رک گئی۔ اندر جانے کی اسے اجازت تھی نہ ہی کوئی خواہش۔

ٹرے ٹیبل پر رکھ کر انہوں نے اپنی طرف مچل مچل کر لپکتے ٹیپو کو اس سے لے لیا۔ ماں کی گود میں جاتے ہی وہ چپ ہو گیا۔ وہ بھی جلدی سے جانے کو مڑی مگر ان کے پکارنے پر مجبوراً رک گئی۔

"یہ آج اس چڑیا گھر میں اتنی خاموشی کیوں ہے؟ سب کدھر ہیں۔" ان کی تشویش بجا تھی۔ نہ ہی شام کی چائے کی مخصوص تیاری تھی اور نہ ہی ٹیپو کے رونے پر کوئی پوچھنے آیا تھا۔ ان کے چڑیا گھر کہنے پر میشا غصہ تو بہت آیا مگر ضبط کر گئی۔

"میں تم سے کچھ پوچھ رہی ہوں؟" زیادہ دیر نظر انداز ہونا ان کی سرشت میں نہ تھا سو قدرے تیز

www.dailyurdubooks.com
URDUBooks

ہو کر بولیں۔

"پھوپھو کے گھر گئے ہیں سب۔" اس نے مختصر جواب دے کر نکلنے کی کوشش کی مگر ادھر بھی بھابھی تھیں۔ انہیں فوراً ہی کھد بد لگ گئی۔

"خیریت یہ سب کے سب ہی کیوں منہ اٹھا کر چلے گئے کوئی گڑبڑ تو نہیں۔"

"مجھے نہیں علم۔ آپ ان سے خود ہی پوچھ لیجیے گا جب وہ آئیں۔" انہیں ٹال کر وہ جلدی سے اپنے کمرے کی طرف بھاگی۔ مغرب کا وقت نکلا جا رہا تھا۔

اس کے جان چھڑانے والے انداز پر انہیں تو پتنگے لگ گئے۔

"گھر کی اکلوتی بہو ہوں۔ مگر میری تو کوئی وقعت وقدر ہی نہیں۔ ہر بات مجھ سے چھپائی جاتی ہے۔ نہ ہی کہیں لے جایا جاتا ہے اور نہ ہی جاتے وقت بتانے کی توفیق بھی جاتی ہے۔ آنے دو آج جاوید کو مزا میں بھی چکھا کر رہوں گی سب کو، ہونہہ۔"

وضو کرتے نماز پڑھتے ان کی بڑبڑاہٹ وہ سنتی رہی۔ پھر دعا مانگ کر وہ جلدی سے کچن کی طرف بھاگی۔ جانتی تھی کہ کچن کا حال انہوں نے برا کر دیا ہوگا اور ہوا بھی وہی۔ سمٹا ہوا کچن اب اوندھا پڑا تھا۔ تیزی سے اس نے کچن سمیٹا۔ گندے برتن دھوئے۔ جانتی تھی کہ ابھی وہ لوگ آئیں گے تو کچن کی حالت دیکھ کر مہروش کتنا کڑھے گی۔ سو ہمیشہ کاموں سے جی چرانے والی بیشا نے جلدی جلدی سے سارا کام ختم کیا، ساتھ میں دل ہی دل میں سب کے جلد لوٹ آنے کی دعا بھی کرتی رہی۔ ادھر کچن سمٹا ادھر دروازے پر ہونے والی مخصوص دستک پر ایک دم خوش ہو کر بھاگی۔ سب آ گئے تھے۔ اس نے سکون کا سانس لیا۔

☆☆☆

سونے سے پہلے وہ دودھ کا گلاس لے کر ابا کے کمرے میں آئی تو جاوید بھائی بھی وہیں موجود تھے۔ ابھی کچھ دیر پہلے ہی بھابھی نے خوب ہنگامہ کیا تھا۔ جاوید بھائی وقت سر پہ اڑے کسی گہری سوچ میں غرق تھے جبکہ کچھ بے بسی سے انہیں دیکھے جا رہے تھے۔

"ابو! دودھ لے لیں۔"

اس کے پکارنے پر جہاں ابو چونکے وہیں بھائی نے بھی سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"بیٹا..... ادھر رکھ دو۔ امینہ، تمہیں چاہیے تھا کہ تم بہو کو بتا کر جاتیں اس کا گلہ بجا ہے۔"

ابو کے کہنے پر اماں نے شکوہ کناں نظروں سے انہیں دیکھا۔

"آپ بھی کمال کرتے ہیں۔ وہ اگر کمرے سے باہر ہوتی تو میں کہتی، پہلے بھی ایک مرتبہ اس کے کمرے پر دستک دے کر جانے کی اطلاع دی تھی تب اس نے کتنا ہنگامہ کیا تھا کہ سوتے میں اچانک اٹھانے سے اس کے سر درد میں شروع ہو جاتا ہے۔ اب اگر پھر اٹھا دیتی تو وہ اس پر ناراض ہی ہوتی۔ آپ بتائیں سلام صاحب، میں کروں تو کیا کروں۔"

اماں کی رندھی آواز پر بیشا تڑپ گئی۔ بھابھی پر پھر سے غصہ آنے لگا تھا۔ جاوید بھائی نے اماں کی حمایت کی۔

"ٹھیک کہہ رہیں اماں۔ ابا، وہ عورت کسی حال میں بھی خوش نہیں رہتی اور نہ رہنے دیتی ہے۔ غلطی اماں کی نہیں ہے۔ بس میرا نصیب ہی خراب تھا جو اس جیسی عورت سے جڑ گیا۔"

"بیٹا! قسمت کو برا نہیں کہتے کیونکہ تقدیر بنانے والا وہ رب ہے۔ تم دل برا مت کرو۔ تمہاری زندگی اب اس کے ساتھ ہے۔ تمہارے بچے کی ماں ہے، تم ہماری چھوڑو بس اپنے گھر گرہستی کی پروا کرو۔"

بیشا نے محبت سے ابا کو دیکھا۔ اس نے اپنی زندگی میں اتنا حلیم اور بامروت شاید ہی کسی کو دیکھا ہو۔ وہ چپکے سے وہاں سے نکل اپنے مشترکہ کمرے میں آ گئی۔ آپی حسب معمول کل کے لیے لیکچر بنانے

www.dailyurdubooks.com
URDUBOOKS

میں مصروف تھیں جبکہ مہروش بستر پر اپنے آگے دھرے چائے کے مگ سے گھونٹ بھرتے ہوئے نجانے کیا سوچ رہی تھی۔

"دل تو چاہ رہا ہے کہ ابھی جا کر ان کی اینٹ سے اینٹ بجادوں۔" دھپ سے بستر پر گرتے اس نے جھلاتے ہوئے انداز میں کہا تھا۔

اس کے بے ڈھنگے انداز گرنے پر مہروش کی سوچوں کا استغراق ٹوٹ گیا تھا۔ سو اسے گھور کر دیکھا۔

"کس کی بھئی؟"

آپی بدستور گمن تھیں۔ مہروش نے البتہ کپ سے منہ سے لگالیا۔

"بھابھی کی، سمجھ کیا رکھا ہے انہوں نے ہمیں یعنی حد ہے۔"

مارے کوفت ورنج کے اس سے جملہ بھی مکمل نہیں ہو رہا تھا۔ نتیجہ حسب سابق تھا آپی نے تنبیہی "اونہو کی جبکہ مہروش نے اس کی پیٹھ ٹھونکی۔"

"شاباش، ایسے ہی رہنا۔ بزدلوں کی اس دنیا میں جگہ ہے نہ قدر۔" مہروش کا جتاتا انداز کس کے لیے تھا۔ ایمن نے ایک نظر اٹھا کر اسے دیکھا پھر سر جھٹک کر دوبارہ سے مصروف ہوگئی۔

"ہاں نہیں تو اور کیا۔ قسم سے پورے گھر کو پل بھر میں ہلا کر رکھ دیتی ہیں۔ سکون ہی برباد ہوگیا ہے۔" ابا کے کمرے کا منظر یاد آکر میشا مزید غصہ دلا گیا۔

"تو وہی معاملہ ہے کہ الٹا چور کوتوال کو کاٹے۔ کیوں آپی صحیح کہہ رہی ہوں نا۔" ساتھ ہی تصدیق چاہی۔

مہروش ہنس پڑی۔ اس کے الٹے سیدھے محاورے اور جملے یونہی پل بھر میں سارا ماحول خوش گوار کردیتے تھے۔

ایمن نے صرف مسکراتے ہوئے تصحیح کی۔

"کاٹے نہیں ڈانٹے۔"

"تم نیرے خیال میں کاٹے زیادہ سوٹ کررہا ہے۔" مہروش شرارت سے مسکرائی تو وہ جو خجل سی بیٹھی تھی ہنس پڑی۔

☆☆☆

مرغے بانگ دے دے کر اب اونگھ رہے تھے کہر بھری ایک اور صبح منتظر تھی۔ اماں نماز پڑھ کر اب اپنے بستر میں صبح دیکی تسبیح پڑھ رہی تھیں۔ ابا کل کا پرانا اخبار کھنگال رہے تھے۔ مہروش نماز پڑھنے کے بعد انہیں گرم گرم چائے دے گئی تھی۔ اسے اب ناشتے کی تیاری کرنی تھی۔ ایمن نے میشا کو نماز کے لیے جگایا، مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوئی تھی۔ مسجد سے آتی تلاوت کی آواز اب معدوم ہوتے ہوتے ختم ہوگئی تھی۔ مشرق سے نکلتا سورج ابھی تک شرم سے کہرے میں منہ چھپائے ہوئے تھا۔ آنگن کے پیڑوں پر لٹکتے مٹی کے آب خوروں پر سحر خیز چڑیاں شور مچاتے اپنا رزق تلاش کررہی تھیں۔

ایمن اب جلدی جلدی تیار ہورہی تھی کمرا سارا اس نے سمیٹ لیا تھا سوائے مہروش کے بستر کے۔ میشا نے کروٹ بدل کر موندی موندی آنکھوں سے آپی کو دیکھا پھر جھٹ منہ دوبارہ لحاف میں گھسالیا۔

"اف توبہ! اتنی ٹھنڈ ہے۔ سیکنڈوں میں ناک تو برف گولا بن گئی میری۔"

"میشا! اب اٹھ بھی جاؤ، کالج سے پھر دیر ہوجائے گی تمہیں۔"

چوتھی گونجتی آپی نے پکارا۔ مگر اس نے آنکھیں مزید سختی سے بند کرکے ناک تکیے میں گھسیڑ لی۔

ایمن نے آئینے میں نظر آتی لحاف کی گٹھڑی کو دیکھا پھر آگے بڑھ کر اس پر سے لحاف کھینچ لیا۔

"کیا ہے آپی، بچی اتنی سردی ہے پھر کالج پیدل جانا۔ مانو ٹانگوں کی قلفی ہی جم جاتی ہے۔ آج میں نہیں جارہی۔" اس نے لجاجت سے ایمن کو دیکھا۔

"سردی ابھی ڈھائی تین مہینے مزید رہے گی۔ کیا روز ہی کالج سے چھٹی کروگی؟ اب اچھے بچوں کی

www.dailyurdubooks.com
URDUBOOKS

طرح اٹھو، زری بھی آنے والی ہوگی۔"

اس کی التجا نظر انداز کرتے ہوئے ایمن نے جلدی جلدی لحاف تہ کرنا شروع کر دیا۔ گرم لحاف سے نکلتے ہی اس کا پورا وجود ٹھٹرا کر رہ گیا۔

کالج جانے کا اسے جتنا شوق تھا اب اتنی ہی اس کی جان جاتی تھی۔ فرسٹ ایئر میں داخلے کے وقت اس کا جوش دیدنی تھا ہر وقت کالج کی باتیں۔ ایسا ہوگا۔ ویسا ہوگا۔ یہ کروں گی وہ کروں گی مگر اب جوش کے غبارے سے ساری ہوا نکل گئی تھی۔ یہ نہیں تھا کہ صرف سردی سے اس کی جان جاتی تھی بلکہ ہر موسم اس پر اسی شدت سے اثر انداز ہوتا تھا۔ گرمیوں میں پنکھے کے نیچے سے نکلنے کو دل نہ چاہتا۔ خزاں کی خنک ہوائیں اسے بیمار کر دیتی۔ واحد بہار کا موسم ہوتا جب وہ ٹھیک رہتی اور موسم سے اس کی ساری شکایتیں ختم ہو جاتیں۔ تب وہ بہت خوشی سے کیاریوں اور گملوں میں کھلتے پھولوں کی دیکھ بھال کرتی۔

اس وقت ابھی منہ بسورتے ہاتھ بغلوں میں دابے وہ سستی سے واش روم میں گئی تھی۔ مہروش نے پانی گرم کر رکھا تھا۔ اس نے بمشکل دو تین چھپاکے منہ پر مارے پھر تیر کی تیزی سے کچن میں گھسی۔ جہاں گرم فضا میں پراٹھوں کی سوندھی خوشبو رچی ہوئی تھی۔ کرسی کھینچ کر اس نے سامنے ہاٹ پاٹ سے پراٹھا نکالا اور تھرماس سے گرم چائے کپ میں انڈیل کر بڑے بڑے لقمے لینے لگی۔

"آرام سے، پیچھے کوئی کتے پڑے ہوئے ہیں تمہارے۔ نہ سلام نہ بسم اللہ اور بس شروع ہو گئیں۔" اس کی عجلت پر مہروش نے فوراً ٹوکا۔

"اللہ مہروش! سچ ابھی زری آجائے گی۔ پھر ذرا سا بھی انتظار نہیں ہوتا اس سے۔ جلدی جلدی کی رٹ لگا دیتی ہے۔ روز ہی تقریباً بھوکا جانا پڑتا ہے۔" اس کی رفتار رغبت میں کوئی فرق نہ پڑا۔

"تو دیر سے روز کیوں اٹھتی ہو۔ فجر کی نماز کے لیے کتنا ہی تمہیں جھنجوڑو، مجال ہے جو تم ہلو بھی۔ روز ہی نماز قضا کر دیتی ہو۔ اب بھگتو انجام دیر سے اٹھنے کا۔" بے مروتی سے کہتی مہروش نے آملیٹ پلیٹ میں نکالا اور لا کر ٹیبل پر رکھ دیا۔

اسی وقت بھابھی بیگم نے کچن میں قدم رنجہ فرمایا۔ ہمیشہ کچھ جواباً کہنے والی تھی مگر خاموش ہو گئی۔ مہروش انہیں نظر انداز کر کے چولہے کی طرف مڑ گئی۔

"یہ بھی خوب رہی۔ آج ان صاحب بہادر کو بھی جلدی آفس جانا تھا۔ ساری رات نیند پوری ہوئی نہیں سر درد سے پھٹا جا رہا تھا۔ مگر نہ جی۔ انہیں بھی مجھے بے آرام کر کے سکون ملتا ہے۔"

وہی جلا کٹا انداز وہی ماتھے پر شکنیں، صبح سے لے کر رات تک ان کے نقش ایک ہی زاویے میں رہتے تھے۔

"ناشتا بھی میں ہی بناؤں، ارے یہ جو اتنا بڑا ٹمر ہے۔ ان سے کہہ کر بنوالیں نا۔ مگر مجھے ہی تکلیف دینی ہوتی ہے۔"

بولتے ہوئے وہ جلدی جلدی چیزیں ٹرے میں سجا رہی تھیں۔ تھرماس سے چائے انڈیلی، ہاٹ پاٹ سے پراٹھا نکالا۔ فریج سے جام کی بوتل۔ اس دوران ذرا بھی جوان دونوں کا نوٹس لیا ہو۔ یوں تھیں گویا وہ وہاں اکیلی ہوں۔ پھر ٹیبل پر پڑے سوندھے آملیٹ کو اٹھانا چاہا تو مہروش سے رہا نہ گیا۔

"یہ ایمن کے لیے ہے۔"

"تو کیا ہوا۔ تم اس کے لیے دوسرا بنالو۔" ان کے شان بے نیازی سے کہنے مہروش کو غصہ آگیا۔

"آپ بنالیں نا بھائی کے لیے۔" اور ویسے بھی انڈے ختم ہو گئے ہیں۔"

"میرے شوہر کی کمائی سے چلتا ہے یہ گھر۔ کیا ہوا جو ایمن کے لیے بنائے گئے آملیٹ کو تمہارا بھائی کھالے۔ تنگ دل۔" وہ چمک کر بولیں۔

بھابھی پلیز! کمائی کا طعنہ اور کسی کو دیں۔ سب کے دل میں اچھی طرح روشن ہے کہ بھائی کی کمائی کہاں جاتی ہے اور کون کھاتا ہے۔" ان کی دروغ گوئی پر مہروش سے رہا نہ گیا تو آئینہ دکھا ہی دیا۔

www.dailyurdubooks.com
URDU BOOKS

اس کی بات پر ان کے تیور بگڑتے دیکھ کر میشا نے مہروش کا ہاتھ دبا کر مزید کچھ بھی کہنے سے روک دیا۔ اس کی آنکھوں میں التجا دیکھ کر مہروش نے گہری سانس لی۔

"ہاں ہاں میں تو اپنا میکا بھرتی ہوں نا جیسے۔ واہ بھئی، ایک تو کھلاؤ بھی اوپر سے احسان فراموشی الگ کرتے ہیں جی بھر کے۔ نجانے یہ سکیں کب سرکیں گی۔ کہ ہمارا بھی بوجھ ہلکا ہو۔ بند نصیبوں والی ساری اسی گھر میں پڑی ہیں۔"

ان کی باتیں برداشت سے باہر تھیں اور نصیبوں کے طعنے پر مہروش کے اندر گرم گرم سے ابال اٹھنے لگے۔

"جو دوسروں کی راہ کھوٹی کرتے ہیں وہ خود بھی کبھی سکون سے نہیں رہتے۔ سو پہلے اپنے گریبان میں جھانکیے پھر کچھ کہیے گا۔"

اس کی سرد آواز، جتاتا انداز ایک لمحے کو تو بھابھی گڑبڑا گئیں پھر "اونہہ" کہہ کر ٹرے اٹھا کر جلدی سے نکل گئیں۔

مہروش کے سفید پڑتے چہرے کو دیکھ کر ایمن بمشکل مسکرائی۔ وہ ان کی بحث کی آواز سن کر چند لمحے پہلے ہی کچن میں آئی تھی۔

"صبر کرو میری بہن۔" محبت سے اس کاندھے پر رکھا ہاتھ اس نے ہلکے سے دبایا۔

مہروش نے ایک گہری سانس لے کر جیسے اندر کی کساقتیں باہر نکالنے کی کوشش کی پھر ان دونوں کے چہرے دیکھ کر زبردستی مسکرانے کی کوشش کی۔

"اب ناشتے میں کیا لوگی؟"

خیر ہے بھئی۔ آج ہم بھی میشا کی طرح چائے پراٹھے کا ناشتا کریں گے۔"

اس کا خوش گوار انداز یقیناً ماحول بدلنے کے لیے تھا مگر مہروش ہونٹ کاٹ کر رہ گئی۔ جانتی اتنی دور کالج پھر بسوں کا سفر، وہ تو آتی بھی اتنی بسیں بدل کر تھی کہ اکثر عصر ہو جاتی۔ وہاں کالج میں بھی سارا دن وہ صرف چائے ہی پیتی تھی۔ سارا دن اس کا بھوکا رہنا۔ اس سے تو برداشت ہی نہیں ہو رہا تھا۔ یہ ساری مشقت وہ ان سب کی خاطر کرتی تھی۔ معاشی ذمہ داری ساری اسی پر تھی۔ بھائی کی کمائی کا تو تھوڑا حصہ ہی ان کے نصیب میں آتا تھا۔

"چلو بھئی، جلدی کرو میشا دروازہ بج رہا ہے۔ یقیناً زری ہوگی۔"

اسے اسی طرح ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا دیکھ کر ایمن نے ٹوکا۔ سارا ماحول ہی خراب ہو چکا تھا۔ اس کا ناشتا بھی ویسا کا ویسا دھرا رہ گیا۔ وہ بے دلی سے اٹھی پھر اسی موڈ کے ساتھ گھر سے نکل گئی۔

راستے کے وہی مناظر تھے جو روز ہوتے تھے۔ ہلکی ہلکی نکلتی، مرجھائی ہوئی دھوپ سڑکوں پر اوس کی گیلاہٹ، صبح کی وہی مخصوص گہما گہمی، شور مچاتے پرندے، بغلوں میں ہاتھ دیے۔ سرخ ناک والے اسکول کو جاتے بچے، زری اپنے مخصوص انداز میں کوئی قصہ چھیڑے ہوئے تھی۔ اس کا دھیان بالکل بھی اس کی طرف نہیں تھا۔ درخت کے نیچے رکھے لکڑی کی بنچ پر آج بھی وہی مجہول سا لڑکا، لمبا، پھٹا ہوا سا اوور کوٹ پہنے بیٹھا تھا۔ جس کے بارے میں زری کا خیال تھا کہ وہ کوئی نشئی ہے جبکہ میشا کو وہ کوئی دیوانہ سا لگتا۔ اسے اس کی سرخ آنکھوں سے بہت خوف آتا تھا۔ انہیں آتا دیکھ کر اس نے اپنی سرخ موٹی موٹی آنکھیں کھول کر انہیں گھورا پھر عجیب سی آواز نکال زور سے ہنسا تھا۔ آج تو اس کے قریب سے گزرتے ہوئے میشا کو ذرا بھی ڈر نہیں لگا۔ اس کا دل صبح ہونے والی بحث کی وجہ سے بہت بوجھل تھا۔

"اے، تم سن رہی ہو، میں کیا کہہ رہی ہوں۔"

اتنی دیر سے بولتے بولتے وہ ایک دم کھٹک گئی۔

"نہیں۔" اس نے بڑی بے مروتی سے جواب دیا۔ تو اس کے پھولے ہوئے چہرے کو دیکھ کر زری کی ہنسی نکل گئی۔

"کیا ہے؟" اس کے ہنسنے پر وہ مزید چڑ گئی۔

"اس وقت تم بالکل نا پڑوس میں رہنے والی بانو باجی کی پوپلے منہ والی ساس لگ رہی ہو۔ وہ بھی

www.dailyurdubooks.com

سارا دن یونہی بغیر دانتوں کی وجہ سے ناراض سی لگتی ہیں۔"

اس کی تشبیہ اسے مزید غصہ دلا گئی۔ وہ کوئی جواب دیے بغیر تیز تیز قدموں سے چلنے لگی۔ آج تو اس وقت کا ٹھنڈا موسم بھی اسے شدت سے محسوس نہیں ہو رہا تھا۔ زری نے جو اس کے تیور دیکھے تو تقریباً بھاگ کر اس تک آئی۔

"ارے بھئی آہستہ، بات تو سنو۔"

مگر وہ ان سنی کر کے یونہی چلتی رہی۔ املتاس کے پیڑ کے پاس سے گزرتے زری نے اس کی جھکی شاخوں کو زور سے جھٹکا تو شبنم کے کتنے ہی قطرے ایک ساتھ اس پر گر گئے۔ میشا ہڑبڑا کر رک گئی۔ ٹھنڈے ٹھنڈے قطرے اسے چیخنے پر مجبور کر گئے۔

"زری کی بچی.....! تم مرو گی اب میرے ہاتھوں۔"

اس نے پلٹ کر زور سے قائل ماری مگر زری کے بجائے اپنی دھن میں مگن آتے ہوئے اس لڑکے کو لگ گئی۔ سر پر ہاتھ رکھ ایک لمحے کو وہ تو چکرا گیا مگر پھر اس معصوم و ہونق چہرے والی لڑکی کو دیکھ کر دانستہ زور سے کراہا بھی۔

"ہائے..... میں مر گیا۔ میرا سر۔"

میشا کے ہاتھوں تو تے میناسب اڑ گئے۔ زری بھی ایک لمحے کو پتھر سی گئی۔ مگر پھر اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ بنی میشا کا ہاتھ پکڑ کر جو اس نے ریس لگائی تو کالج کے گیٹ کے اندر جا کر ہی دم لیا۔ سارے راستے پاگلوں کی طرح بھاگتے۔ ان کا سانس چڑھ چکا تھا۔ ساری سردی بھی دم دبا کر بھاگ نکلی تھی۔ گیٹ کے اندر آ کر ان دونوں نے بے قابو ہوتی دھڑکنوں اور چڑھتی سانسوں کو ذرا قابو کیا۔ پھر ایک دوسرے کو دیکھ کر بے ساختہ ہنسنے لگی تھیں۔ چوکیدار اور آس پاس کھڑی لڑکیاں حیرت سے ان دونوں کو دیکھے جا رہی تھیں۔ جن کے چہرے ہنسنے سے سرخ ہو چکے تھے مگر یہ ہنسی کا طوفان تھم نہیں رہا تھا۔ یہ عمر شاید ایسی ہی ہوتی ہے، بے فکری پر جوش۔

☆☆☆

آج اتوار تھا۔ میشا نے تو شکر ادا کیا اور جی بھر کے نیند پوری کی۔ دس بجے مہروش اسے زبردستی جگانے میں کامیاب ہو گئی تھی۔ ناشتا کرتے ہی وہ چھت پر چلی گئی۔ جانتی تھی ایمن اور مہروش سارا کام کر لیں گی۔ اسے دھوپ میں لیٹ کر سستانا بہت مزا دیتا تھا۔ سو اس وقت بھی چارپائی پر آنکھیں موندے لیٹے وہ انجوائے کر رہی تھی۔ جب نیچے سے آتے شور پر اس نے یونہی سستی سے کروٹ لی اور آوازوں پر غور کرنے لگی۔

"ارے..... یہ تو سارہ اور جگنو کی آوازیں ہیں۔ مطلب آپا آئی ہیں۔"

وہ ایک دم پرجوش سی ہو کر اٹھی ساری سستی ہوا ہو گئی۔ خوشی سے بھاگتے ہوئے وہ دھپ دھپ کرتی سیڑھیاں اتری تو سامنے ہی آپا کو اماں کے ساتھ تخت پر بیٹھے دیکھ کر وہ ان کے گلے لگ گئی۔

"آپا..... پیاری آپا۔ اتنے عرصے بعد چکر لگایا ہے آپ نے۔ بچی۔ میں بس ناراض ہونے ہی والی تھی آپ سے۔"

"تو ہو جاتیں نا..... سچ بڑا امن ہو جاتا ہے"

یہ شرارتی سی آواز جگنو کی تھی جو یقیناً کچن سے ہی نکلا تھا۔ اس کے والہانہ انداز پر آپا نے محبت سے اس کا ماتھا چوم کر اسے اپنے پاس بٹھایا پھر جگنو کو ٹوکا۔

"بری بات..... خبردار جو اسے کچھ کہا ہو۔"

"ورنہ پھر غبارے کو سارا دن ہی دیکھنا پڑے گا۔" یہ دوسری آواز سارہ کی تھی۔ ناراض ہو کر اس کا منہ غبارے کی طرح لگتا تھا۔ یہ ان دونوں جڑواں بہن بھائیوں کا ماننا تھا۔

"سارہ کی بچی۔" وہ تیزی سے اٹھی۔ سارہ بھاگ کر اس کے گلے لگ گئی۔

"سوری۔ سوری۔ بس کیا کروں تمہیں تنگ کر کے بہت مزا آتا ہے۔" ان دونوں میں سال ڈیڑھ سال کا ہی فرق تھا۔ سو بہت بے تکلفی تھی۔

اندر سے ابا نکل آئے تو وہ سارہ کا ہاتھ کھینچ کر

www.dailyurdubooks.com

سیڑھیوں پر بیٹھ گئی۔ ابا وہیں تخت کے پاس کرسی دھر کر بیٹھ گئے، گھر میں خوش گواری پل چل مچ گئی تھی۔ بھابھی بھی کل سے میکے گئی ہوئی تھیں سو امن کا دور دورہ تھا۔ ایمن مہروش سارے گھر کی صفائی کے بعد اب کچن میں دوپہر کے کھانے کا انتظام کر رہی تھیں۔ آپا کے آنے کے بعد مینو بدل گیا تھا۔ اب مٹر پلاؤ کے ساتھ چکن قورمہ اور تینوں کی من پسند گاجر کی کھیر بنانے کی تیاری ہو رہی تھی۔ مینو سن کر اس کے منہ میں پانی آ گیا، حالانکہ آپا نے تو بہت منع کیا مگر ایمن ایک نہ مانی۔ ابا سودا لینے چلے گئے۔ جگنو باورچی خانے سے کینوؤں کی ٹوکری اٹھا لایا۔ اب کینوؤں کی شامت آئی ہوئی تھی۔

"بس بھی کرو تم تینوں، سارے چھلکے نیچے گرا رہے ہو۔"

مہروش نے کچن کی طرف جاتے کوئی چوتھی بار انہیں ٹوکا تھا۔ مگر وہ ڈھیٹ بنے گند پھیلاتے رہے۔ اماں کے ہاتھوں سے گاجریں لے کر آپا کدوکش کر رہی تھیں۔ ان چہکتی آوازوں پر ایک مسکراتی نظر ان پر ڈال کر وہ اماں سے باتوں میں مصروف ہو جاتیں۔

"ہماری بھابھی صاحبہ کے مزاج کچھ بہتر ہیں یا وہی عالم ہے بدمزاجی کا۔"

"ایسے نہیں بولتے ایک ہی بھابھی ہے تمہاری۔ تم لوگ ایسے مت کہا کرو۔ اچھا نہیں لگتا بیٹا!"

"جی ہیں تو ایک..... مگر دس کے برابر زبان ہے ان کی، نجانے کیوں میرے اتنے نفیس بھائی کے نصیب میں یہ بدمزاج عورت کیسے آ گئی؟" آپا نے قدرے افسوس سے کہا۔ اماں ذرا دیر کو چپ رہ گئیں۔

"بجا فرما رہی ہیں والدہ محترمہ۔" جگنو نے کینو بھرے منہ سے سرگوشی کی۔

"بس آپا! یہ بھی آزمائش ہے، وہ بھی زندگی بھر کی کیونکہ بھابھی تو قیامت تک سدھرنے والی نہیں ہیں۔" مہروش چائے کی ٹرے اٹھائے کچن سے برآمد ہوئی تو خود کو چٹخ ہونے سے روک نہ سکی۔

"ہزار دفعہ سمجھایا ہے کہ ایسے نہیں بولتے۔ کیوں دوسروں کے عیب گنوا کر اپنے اعمال خراب کرتی ہو۔"

اماں کی تنبیہہ پر وہ سر جھٹک کر رہ گئی۔ ساری نصیحتیں صرف ان کے لیے تھیں۔ بھابھی جو چاہے کریں ان کو کھلی چھوٹ تھی۔

"اچھا چھوڑیں۔ یہ بتائیں پھوپھو کے مسئلے کا کیا بنا۔؟" مہروش کے پتھریلے چہرے کو دیکھتے ہوئے انہوں نے کپ اٹھاتے دانستہ موضوع بدل دیا۔

"بننا کیا ہے بے چاری کا۔ جہان جو تھوڑی بہت لچک دکھا رہا تھا اب عیبہ کے تیور اور مطالبات سن کر وہ بھی اکڑ گیا ہے۔ دونوں میں سے کوئی بھی جھکنے کو تیار نہیں۔ بے چاری قدسیہ بہت پریشان ہے۔"

"ہونا بھی چاہیے اماں۔ برسوں پرانا رشتہ ہے یونہی ان دونوں کی ضد میں ٹوٹ گیا تو سارا خاندان ہی ان کو ملامت کرے گا۔ جہان کو چاہیے کہ وہ عیبہ سے مل کر اسے قائل کرے۔ اتنا پرانا رشتہ ہے تو یقیناً دلوں میں محبت و گنجائش تو باقی ہو گی نا۔"

بیٹا نے اکتا کر اس خالص "خاندانی موضوع" سے توجہ ہٹائی۔ پھر سارہ سے جھاڑو منگوا کر سارا گند سمیٹ کر ان دونوں کے ساتھ لڈو اٹھا کر اوپر چھت پر چلی گئی۔ ایمن کچن سے سلاد کی ٹوکری لیے باہر نکلی پھر وہیں تخت پر آ کر بیٹھ گئی۔

"تم سناؤ ایمن، نوکری کیسی جا رہی ہے۔ تمہیں تو فرصت ہی نہیں کہ کبھی چکر ہی لگا لو۔"

انہوں نے خود سے پانچ سال چھوٹی بہن کو محبت سے دیکھ کر گلہ کیا تو ایمن ان کے شکوے پر مسکرا دی۔

"آپا! وقت ہی نہیں ملتا۔ سردیوں میں تو یوں بھی دن بہت چھوٹے ہوتے ہیں، کب شروع کب

www.dailyurdubooks.com

ختم بس بندہ حساب ہی کرتا رہ جاتا ہے۔" وہ ملائمت سے بولی۔

آپا جانتی تھیں وہ سچ کہہ رہی ہے۔ ابا کی ریٹائرمنٹ کے بعد اس نے بڑی خاموشی و ہمت سے گھر کی گاڑی کو سنبھالا تھا۔ جاوید پر تو ابا کی تقریباً ساری پونجی ہی خرچ ہوئی مگر ہاتھ کیا آیا۔؟

وہ ادھر ادھر کی باتوں میں لگ گئے۔ چائے پیتے انہوں نے اوپر سے ان تینوں کے جھگڑنے کی آواز سنی تو انہیں بھی نیچے بلالیا گیا۔ اب ایک دوسرے سے چھیڑ چھاڑ کرتے، گاجریں کھاتے ان کی چہکار سے زندگی جاگتی محسوس ہو رہی تھی۔

ابا اور جاوید بھائی بھی آئے تو وہیں کرسیاں جما کر دھوپ کا لطف لینے لگے۔ خوش گوار ماحول محبتوں سے گندھی فضا..... مہروش نے باورچی خانے کی کھڑکی سے جھانک کر دیکھا سب کتنا اپنائیت سے لبریز لگ رہا تھا۔ صرف ایک فرد کے نہ ہونے سے۔ بھابھی کا سوچ کر ہی اس کا حلق کڑوا ہو گیا۔

☆☆☆

ہفتے کی گئیں بھابھی آج جمعرات ہونے کو آئی تھی گھر واپس نہیں آئی تھیں۔ سوراوی چین ہی چین لکھ رہا تھا مگر یہ چین درحقیقت اپنے اندر کتنے طوفان چھپائے ہوئے تھا اس کا اندازہ کسی کو بھی نہ تھا۔

عصر کے وقت میشا حسب عادت اپنی کتابیں اٹھائے چھت پر چلی آئی تھی۔ پھیکی پڑتی سنہری دھوپ اب زردی مائل ہو رہی تھی۔ آس پاس کے گھروں کی منڈیروں پر دم توڑتی دھوپ میں کہیں کپڑے تو کہیں گرم چادریں، اپنی بہاریں دکھا رہی تھیں۔ کبوتر ایک لمبی اڑان بھرتے، گول گول جھنڈ میں چکر پھیریاں لیتے کئی مرتبہ اس کے بہت قریب سے گزرے۔ ان کے پروں کی پھڑپھڑاہٹ اسے عجیب سی گدگدا رہی تھی۔ مسجد سے آتی جماعت کی آواز اب ہلکی ہو کر معدوم ہو چکی تھی۔

منڈیر پر بازو ٹکائے اس نے اطراف میں نگاہ دوڑائی۔ ساتھ والی حلیمہ تائی کے صحن میں ان کے پوتے سائیکل چلا رہے تھے۔ چھوٹا والا حلق پھاڑ رہا تھا۔ بے چارے کا شاید نمبر ہی نہیں آ رہا تھا۔ بائیں طرف میٹھی خالہ کے صحن میں ان کی بہو چائے میز پر سجائے گود میں بیٹے کو قابو کیے بسکٹ کھلانے کی فکر میں ہلکان ہوئے جا رہی تھی۔ میٹھی خالہ مسلسل اسے ٹوکے جا رہی تھیں مگر لگتا تھا بہو کو بھی آج بچے سے ضد ہو گئی تھی۔

مسکراتے ہوئے اس نے اس منظر سے نگاہ ہٹائی پھر چارپائی پر رکھی کتابوں کے پاس ڈھیر ہو گئی، پڑھائی کا ذرا بھی دل نہیں چاہ رہا تھا۔ چت لیٹے لیٹے اس نے نیلے آسمان پر ٹوٹی پتنگوں اور پرندوں کو دیکھا۔ پھر سستی سے کروٹ بدل کر آنکھیں موند لیں۔ ہلکی سی اونگھ آئی تھی کہ اس پر ایک دھپ ہوئی۔ اور کوئی نرم سی چیز اس کے منہ سے ٹکرائی اس کی آنکھ کھلی تو دیکھا۔ ساتھ والوں کی مرغی بڑے مزے سے اس کے کندھوں پر محو استراحت تھی۔

"میشا باجی! اسے ذرا میری طرف اچھالیں۔ جلدی کریں کہیں بھاگ نہ جائے۔" دیوار پر ٹنگے دس سالہ راجو نے اسے متوجہ کر کے التجا کی۔

اس نے کچھ غصے سے کندھے پر سوار مرغی کو دبوچا اور راجو کی طرف زور سے اچھالا۔ وہ مشکلوں سے "کیچ" کرنے میں کامیاب ہوا تھا پھر دیوار کے پار غائب ہو گیا۔

اس نے سامنے پڑی کتاب کھولی اور لفظوں پر نظریں جما کر پڑھنے لگی تب ہی سیڑھیوں سے ایک جانی پہچانی سی آواز آئی۔

"محترمہ میشا صاحبہ..... ہم کب سے آپ کے دیدار کے منتظر ہیں۔ اگر پڑھنے کے بہانے نیند پوری کر لی ہو تو نیچے تشریف لے آیئے اب۔"

"ہیں۔ جہان بھائی۔"

بے اختیار اس نے کتابیں سمیٹیں اور بھاگی۔ آخری سیڑھی کے پاس جہانداد کھڑا مسکرا رہا تھا۔

www.dailyurdubooks.com
URDU BOOKS

"آپ کب آئے..... پھوپھو بھی آئی ہیں نا..... کب سے آئے ہیں۔ مجھے تو خبر ہی نہیں ہوئی۔ حد ہے یعنی کہ میں بے خبر کیسے رہی۔"

"بس بس۔ تیز گام بی بی۔ ہمیں آئے تھوڑی دیر ہی ہوئی ہے تم شاید اس وقت کتاب میں منہ دیے سو رہی ہو گی۔ مجھے اماں کو چھوڑ کر کہیں جانا تھا۔ اس پر سوچا تم سے ملتا چلوں ورنہ پھر تم چڑیل سے جان کون چھڑائے گا۔" اس نے شرارت سے اس کی سونے کی عادت پر چوٹ کی تھی مگر وہ اس کو نظر انداز کیے برآمدے تک ان سے بحث کیے گئی۔

"اتنے دنوں بعد تو آئے ہیں اور اتنی جلدی جا رہے ہیں۔ غلط بات ہے یہ۔"

"کام سے جا رہا ہوں۔ ختم کر کے ادھر ہی آؤں گا۔ بلکہ رات کا کھانا بھی کھاؤں گا۔"

بڑی مشکلوں سے یقین دلا کر وہ وعدہ کر کے چلا گیا تو وہ اماں کے کمرے کی طرف آ گئی۔ پھوپھو اماں سے نجانے کن باتوں میں الجھی ہوئی تھیں جو بہت پریشان دکھائی دے رہی تھیں۔ میشا کے سلام کرنے پر انہوں نے بے اختیار اسے گلے لگا کر پیار کیا تھا۔ انہیں یہ سادہ قدرے احمق سی بھتیجی بہت پیاری و عزیز تھی۔

"اتنے دنوں بعد آئی ہیں آپ۔ ہم یاد نہیں آتے آپ کو۔" اس کے منہ پھلا کر شکوہ کرنے پر وہ مسکرا دیں۔

"کیوں نہیں آتے۔ پر اتنی سردی میں نکلنا آسان بھی نہیں ہے۔ پھر جہان بھی لیٹ آتا ہے۔ بس یوں سوچتے سوچتے دن نکل جاتا ہے۔"

"تو جہان بھائی سے کہہ دیا کریں نا، کہ صبح جاتے ہوئے آپ کو ادھر چھوڑ جایا کریں۔" اس کے پاس آسان حل موجود تھا۔

"بیٹا! گھر کے کام بھی تو ہوتے ہیں نا۔ وہ بھی نپٹانے ہوتے ہیں۔ کیسے صبح ہی صبح نکل جاؤں۔" اس کی تجویز پر وہ بے ساختہ ہی مسکرائیں۔

"میشا! تم جا کر دیکھو کہ چائے تیار ہوئی ہے یا نہیں اور ہاں نماز بھی پڑھ لو، قضا کر دیتی ہو۔" اماں نے اسے وہاں سے ٹالا وہ بلا حیل و حجت وہاں سے اٹھ آئی کچن میں جھانکا تو مہروش اور ایمن دونوں نظر آئیں۔ چائے تیار ہی تھی۔ ایمن کھانا کھا رہی تھی۔

"آج پھر آپی لیٹ ہو گئی ہیں۔" سوچتے ہوئے وہ وضو کرنے چل دی۔

چائے کے دوران ابا بھی آ گئے تھے۔ پھوپھو، کو دیکھ کر وہ بے اختیار خوش ہوئے، عصر سے مغرب تک کا وقت ابا کے دوستوں کے نام تھا۔ یہیں محلے میں رہنے والے اسلام صاحب کا مین بازار میں پراپرٹی ڈیلنگ کا چھوٹا سا دفتر تھا۔ ابا اور ان کے چند دوست وہیں ہوتے تھے۔"

آج ابا غیر متوقع طور پر جلدی آ گئے تھے۔ خوش گوار باتوں میں چائے پی گئی۔ مہروش برتن سمیٹنے لگی۔

"جاوید کب تک آتا ہے۔؟"

پھوپھو کے پوچھنے پر اماں بتانے لگی۔ یوں تو پانچ بجے تک آ جاتا ہے مگر آج کل ثروت میکے میں ہے تو بچے سے ملنے پہلے وہاں چلا جاتا ہے۔"

"ویسے کچھ بدلاؤ آیا بھی ہے بہو کے مزاج میں یا ویسی کی ویسی ہے۔"

پھوپھو کے کے استفسار پر اماں ذرا دیر کو چپ ہو گئیں۔ یہ بے بس سی خاموشی ہی جواب تھا۔ پھوپھو بھی سمجھ کر بات پلٹ گئیں۔

"ایمن! تبادلے کا کیا بنا تمہارے؟"

پچھلے کچھ عرصے سے ایمن اپنا تبادلہ شہر کے واحد ڈگری کالج میں کروانے کی کوشش کر رہی تھی۔ چھوٹا سا شہر تھا یہ اور ساتھ والے قصبے نما شہر میں جہاں وہ پڑھاتی تھی، آنے جانے میں بہت وقت صرف ہو جاتا تھا۔

"دیکھیں پھوپھو، درخواست تو دے رکھی ہے آگے اللہ مالک ہے۔"

"چلو۔ اللہ بہتر کرے۔" انہوں نے خلوص سے دعا دی۔

www.dailyurdubooks.com
URDU BOOKS

"تم سناؤ عابدہ، حالات کچھ بہتر ہوئے یا نہیں۔" ابا نے جیسے ان کی دکھتی رگ چھیڑی۔

ان کے منہ سے آہ سی نکل گئی۔

"بھائی جان! میں تو بری طرح پھنس گئی ہوں۔ نہ ہی عیہہ کچھ سننے، ماننے کو تیار ہے اور نہ ہی اب جہان۔ دونوں ہی ہٹ کے پکے ہیں۔ میں کیا کروں؟ کچھ بھی سمجھ میں نہیں آ رہا۔ حالات نجانے کس کروٹ بیٹھیں۔"

"آنے دو جہان کو۔ میں بات کرتا ہوں اس سے۔ آخر کیا سوچ رہا ہے۔ کھل کر بتائے تاکہ اس بے یقینی کی صورت حال کا خاتمہ تو ہو۔" ابا نے انہیں نرمی سے دلاسا دیا۔ وہ اپنی نم آنکھوں کو پونچھنے لگیں۔

بیشا نے ابا کے شفیق چہرے کو بڑی عقیدت سے دیکھا۔ ابا جتنا حلیم طبع۔ نرم خو اور منکسر المزاج شخص شاید ہی اس نے آج تک کہیں دیکھا ہو۔ حالات چاہے جتنے بھی سخت کیوں نہ ہوں اس نے انہیں کبھی بھی مایوس ہوتے نہیں دیکھا۔ ہمیشہ امید ان کے چہرے پر نرم سی مسکراہٹ بن کر جگمگاتی رہتی۔

"کیا ہوا بیشا؟"

اس کا گتھی باندھے دیکھنا ابا بڑی دیر سے محسوس کر رہے تھے تو بڑی نرمی و شفقت سے پوچھ ہی لیا۔ وہ چونکی پھر جھینپ کر نفی میں سر ہلانے لگی۔

جاوید اور جہانداد کی آمد ایک ساتھ ہی ہوئی تھی۔ کھانا بڑے خوشگوار ماحول میں کھایا گیا۔ دوپہر کے قیمہ کریلے کے ساتھ مہروش نے جلدی جلدی پلاؤ اور کباب بنا لیے تھے۔ سو بہت رغبت سے سب کھایا گیا۔

"بھئی مان گئے مہروش۔ تمہارے جیسا ذائقہ کم ہی کسی کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔" تولیے سے ہاتھ رگڑتے جہانداد نے خوش دلی سے اسے سراہا۔

"اور میرے جیسا نصیب بھی۔" پھیکی کچھ تلخ سی مسکراہٹ نے جہانداد کو ششدر سا کر دیا۔ حالات کی تلخی اس کے جملے میں رچی ہوئی تھی۔ وہ جانتے تھے کہ اس کے ساتھ بہت غلط ہوا تھا جس کی وہ حق دار نہ تھی۔

"جہان بھائی! چائے ابا کے کمرے میں ہے۔ آ جائیں۔" بیشا کی زندگی سی لبریز آواز ان اسے واپس کھینچ لائی۔ ہلکی سی پُر تاسف سانس خارج کر کے اس نے قدم بڑھا دیے۔

☆☆☆

پھوپھو کے جانے کے دو روز بعد بھی ابا کسی گہری سوچ میں مستغرق نظر آ رہے تھے۔ جہانداد سے بات کر کے انہیں اندازہ ہو گیا تھا کہ یہ ناؤ مشکل سے ہی کنارے لگے گی۔ اور کون جانے لگے بھی یا نہیں۔

پھوپھو ابا کی وجہ سے بہت پر امید نظر آ رہی تھیں۔ ابا کو پھوپھو کا سوچ کر سخت تاسف ہو رہا تھا۔ اپنی چھوٹی بہن سے ابا کو بہت پیار تھا۔ وہ بہت وضع دار سادہ اور محبت کرنے والی تھیں۔ زندگی میں شاید ہی انہوں نے کسی کے خلاف دل میں بغض یا میل رکھی ہو۔ جانتے تھے کہ اب سسرال والوں کا سارا نزلہ ہی ان پر گرے گا۔ حالانکہ ان کا قصور تو نہ تھا جو کچھ ہو رہا تھا اس کی ذمہ داری عیہہ پر عائد ہوتی تھی۔ جہانداد کی بچپن منگیتر۔ چچازاد بہن اور چار سال سے منکوحہ تھی۔ یہ بچپن کی منگنی بھی عجیب قصہ تھا ہوا یوں کہ عیہہ جب تین سال کی تھی تب اس کی ماں کا انتقال ہو گیا۔ وہ دادی کی بہت لاڈلی تھی۔ پہلی پوتی تھی ادھر جہانداد بھی پہلوٹھی کا پہلا پوتا تھا۔ انہیں نجانے کیا خدشہ ہوا کہ عیہہ اور جہانداد کی منگنی کر ڈالی اس رشتے میں پھوپھو کی رضامندی شامل نہیں تھی۔ انہیں شروع سے ہی ایمن اچھی لگتی تھی جو جہانداد کی ہم عمر ہی تھی اور ان کی یہ خواہش پھوپھا اور ابا دونوں سے ڈھکی چھپی نہیں تھی۔ پھوپھا بھی بہت اچھے انسان تھے۔ انکساری ان میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ جب پھوپھو کی ساس نے بڑے بیٹے کو حکم دیا تو وہ نہیں ٹال سکے۔ یوں تین سالہ عیہہ اور دس سالہ جہانداد کی منگنی کر دی گئی۔ ابا پھوپھو کا رنجیدہ چہرہ دیکھ

www.dailyurdubooks.com

کر انہیں تسلی دیتے رہے۔

"یہ سب نصیبوں کا کھیل ہے عابدہ، جہانداد پہلے بھی میرا بیٹا تھا اب بھی رہے گا۔ اسی طرح ایمن بھی تمہاری بیٹی ہے۔ کیا ہوا جو رشتہ نہ ہو سکا۔"

ابا کی تشفی پر وہ بظاہر چپ کر گئیں مگر عرصہ تک ان کے دل سے ملال نہ گیا۔

عبیہہ ماں کے مرنے کے بعد بہت ضدی ہو گئی تھی۔ دادی سے اسے اب سنبھالنا مشکل ہو رہا تھا۔ پھر چچا کی دوسری شادی اس مسئلے کا حل نظر آئی۔ بڑا چھان پھٹک کر لڑکی دیکھی گئی۔ مگر شاید یہ اس لڑکی کی بدقسمتی تھی یا عبیہہ کی۔ دونوں کی بن نہ سکی۔ چچا دادی سمیت کراچی شفٹ کر گئے۔ آتے جاتے لوگوں، رشتہ داروں سے انہیں سننے کو ملتا کہ عبیہہ اور اس کی سوتیلی ماں کی ہر وقت ٹھنی رہتی ہے۔ عبیہہ بہت ضدی ہے۔ دادی کی شے پر بگڑ رہی ہے۔ یہ سب سن کر وہ پریشان ہو جاتیں مگر پھوپھا انہیں تسلی دیتے کہ لوگوں کو تو عادت ہوتی ہے دوسروں کی عیب جوئی کی۔ رائی کا پہاڑ بنانے کی اور وہ ان کی تسلی کے لیے انہیں دو تین دفعہ کراچی لے گئے رنگ و روپ تو اس نے خوب نکالا تھا۔ مگر وہ انہیں بہت خود سر و لاپرواسی لگی تھی۔ چاہ کر بھی وہ ساس سے کچھ کہہ نہ پائی تھیں جو اسے لاڈ و پیار میں بگاڑ رہی تھیں۔ واپسی پر دبے دبے لہجے میں انہوں نے پھوپھا سے ذکر کیا۔ وہ بھی سن کر خاموش ہو رہے۔

چار سال پہلے پھوپھا کے انتقال پر جب چچا سمیت دادی کے آئے تو نجانے کس خدشے کے پیش نظر دادی نے نکاح کی تجویز پیش کر دی۔ عبیہہ بھی ان کے ساتھ تھی۔ جہانداد کی وجاہت نے اسے شاید متاثر کیا تھا اسی لیے وہ اس دفعہ بہت سنبھل کر رہ رہی تھی۔ پھوپھو کو بھی وقت دے رہی تھی۔ نکاح کی تجویز جہانداد نے رد کر دی۔ مگر دادی نے جذباتی دباؤ ڈال کر پھوپھو سے منوا لیا۔ پھوپھو اور ابا کے سمجھانے پر جہانداد نیم دلی سے راضی ہو گیا۔ یوں پھوپھا کے چہلم کے دوران ہی سادگی سے ان کا نکاح کر دیا گیا۔

اس نکاح کے بعد تو عبیہہ کے تیور ہی بدل گئے۔ وہ ہر وقت جہانداد کے گرد چکرانے لگی۔ اسے بہ بظاہر مغرور، وجیہہ سا شخص بہت اچھا لگنے لگا تھا۔ جہانداد باپ کے غم سے نڈھال تھا۔ اس کا دوستوں کی طرح، نرم خو باپ اچانک ہی انہیں چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ پھوپھو الگ صدمے میں تھیں۔

ان دنوں اماں، ابا نے پھوپھو کا بہت ساتھ دیا تھا۔ ایمن اور مہروش نے سارا گھر سنبھالا ہوا تھا۔ اور جس کی یہ ذمہ داری تھی اسے خود سے فرصت ہی نہ تھی چچا تو نکاح کے بعد چلے گئے۔ دادی البتہ عبیہہ کے ساتھ رک گئیں۔ انہیں اب اطمینان تھا۔ بیٹے کی موت سے جو خدشہ دل میں پیدا ہوا تھا کہ شاید یہ رشتہ آگے چل کر ختم نہ ہو جائے۔ اب نکاح کے بعد وہ مطمئن تھیں۔ یوں بھی عبیہہ کے مزاج سے وہ اب خائف رہنے لگی تھیں۔ جانتی تھیں کہ خاندان میں کسی کے ساتھ یہ گزارہ نہیں کر سکتی تھی مگر پھوپھو بہت متحمل مزاج اور بے ضرر سی تھیں۔ عبیہہ کی خود سری کو ان کی متحمل مزاجی ہی سہہ سکتی ہے۔ تھی تو خود غرضانہ سوچ مگر عبیہہ کا بھی جھکاؤ خود بخود جہانداد کی طرف بڑھتا جا رہا تھا۔ سو ان کے خیال سے یہ بیل اب منڈھے چڑھ چکی تھی مگر قسمت کو شاید کچھ اور منظور تھا۔ کچھ عرصے پہلے پھوپھو نے رخصتی کی تاریخ طے کرنے کے لیے فون کیا تو وہاں سے ان کا مطالبہ سن کر ششدر رہ گئیں۔

"دیکھو عابدہ! عبیہہ اب اس چھوٹے سے قصبے میں آ کر نہیں بسنا چاہتی اور دیکھا جائے تو اس ن کی خواہش مطالبہ ناجائز بھی نہیں۔ وہ اتنے بڑے شہر میں پلی بڑھی ہے۔ اب جاب بھی کر رہی ہے۔ وہ اس بھاگتی دوڑتی زندگی کی عادی ہے۔ وہاں کی سست رفتار زندگی اب وہ نہیں گزار سکتی سو بہتر ہو گا کہ تم اور جہان داد بھی اب ادھر ہی منتقل ہو جاؤ۔ پھر رخصتی بھی ہو جائے گی۔"

"دادی کو پتا تھا کہ ہم کہاں رہتے ہیں اور کس

www.dailyurdubooks.com

طرح کی زندگی گزارتے ہیں تو پھر کیوں نکاح کر دیا اس کا میرے ساتھ۔ اگر اسے یہاں آ کر رہنا بسنا پسند نہیں تو ٹھیک ہے۔ وہیں رہے مگر مجھ سے یہ مطالبہ نہیں کیا جائے کہ میں اپنا سب کچھ چھوڑ کر صرف اس کی خوشنودی کے لیے "رخصت" کر دیا جاؤں۔"

جہانداد جیسا ٹھنڈے مزاج کا انسان تو یہ سنتے ہی بھڑک اٹھا۔ اسے دادی کا یہ تقاضا پسند نہیں آیا نہ ہی اپنی ماں کا پریشرائز کیا جانا۔

"مگر یہ تو حل نہ ہوا نا بیٹا۔ نکاح کو چار سال ہو چکے ہیں۔ میری ہمت بھی اب جواب دے چکی ہے۔ گھر داری، گھر کی تنہائی وسناٹا اب میرے بس سے باہر ہو رہا ہے۔ تم خود بات کرو عیسہ سے، ہو سکتا ہے، اماں جان خود سے ہی یہ شرط پیش کر رہی ہوں، عیسہ کو علم نہ ہو۔"

پھوپھو کی سادگی پر جہانداد تلخی سے ہنسا۔

"جی۔ اتنی ہی معصوم ولاعلم ہے نا وہ! مجھے یہ بات پچھلے کئی ماہ سے وہ اشارے، کنائیوں میں کر چکی ہے۔ مگر میں طرح دے گیا تو اس لیے اب دادی کو آگے کر دیا ہے۔ وہ جانتی ہے نا کہ ہر دفعہ کی طرح اس بار بھی دادی آپ کو پریشرائز کر کے یہ بات بھی منوا لیں گی۔ مگر نہیں۔ اس بار نہیں۔ میں ہرگز یہ بات نہیں مانوں گا۔ اگر کسی کی رخصتی ہوگی تو وہ عیسہ کی ہوگی۔ میں اپنا گھر، اپنا شہر چھوڑ کر نہیں جا سکتا اور نہ ہی جانا چاہتا ہوں۔"

جہانداد کے سخت لہجے پر پھوپھو چپ کر گئیں۔ پھر ساس کے فون آنے پر انہوں نے جہانداد کا جواب پہنچا دیا۔ حسب توقع ادھر سے سخت بُرا منایا گیا۔ ان پر دباؤ ڈالا جانے لگا کہ وہ جہانداد کو راضی کریں ورنہ سارا خاندان ان کا سوشل بائیکاٹ کر دے گا۔ ان کی دھمکی جہانداد کو سخت مشتعل کر گئی۔ اس کا موقف اور انکار مزید اٹل وسخت ہو گیا۔ پھوپھو اس ساری صورت حال سے سخت پریشان ہو گئی تھیں۔

عیسہ اور جہانداد کی اس سلسلے میں کئی بار بحث ہوئی، جو ہمیشہ تلخی پر جا کر ختم ہوئی تھی۔ جہانداد کو اس طرح ڈٹے دیکھ کر دادی نے پینترا بدلا اور پھوپھو کو مرحوم پھوپھا کی خواہش کا واسطہ دے کر بلیک میل کیا جانے لگا۔ اڑتی اڑتی سارے خاندان میں ہی یہ بات پھیل چکی تھی۔ جہانداد نے عیسہ سے کانٹیکٹ ہی ختم کر دیا تھا۔ اس کے رویے اور ضد پر بہت دکھ ہوا تھا۔ خاندان بھی الگ آتے جاتے پھوپھو سے بظاہر ہمدردی کرتے سن گن لینے کی کوشش کرتا رہتا۔ اس ساری صورت حال نے پھوپھو کو مضمحل اور بیمار سا کر ڈالا تھا۔

ابا اب تک تو خاموش تماشائی بنے سب دیکھ رہے تھے۔ جہانداد سے انہوں نے براہ راست بھی اس موضوع پر بات نہیں کی تھی مگر اب انہیں اچھی طرح اندازہ ہو رہا تھا کہ جہانداد اپنے فیصلے سے ایک انچ بھی ہٹنے کو تیار نہیں ہے۔

پھوپھو ابا کے فون کی منتظر تھیں۔ مگر شاید اتنا انتظار ان سے نہیں ہو رہا تھا جو سر شام ہی ابا کو فون کر دیا۔ وہ تو خود جہانداد کو کہتی تھیں کہ وہ کراچی چلا جائے۔ ان کی فکر نہ کرے۔ کیونکہ وہ یہ شہر چھوڑ کر نہیں جا سکتی تھیں جہاں ان کا گھر تھا۔ وہ گھر جو پھوپھا نے بڑی محبت ومحنت سے بنایا تھا۔ جس کے چپے چپے میں ان کی یادیں۔ ان کی مہک تھی۔ اس عمر میں تو یوں بھی شہر بدری ان سے برداشت نہیں ہو سکتی تھی۔ مگر وہ اپنا رشتہ نہ خراب کرے۔ نکاح تھا کوئی معمولی چیز تو نہ تھی۔ وہ ہی جھک جائے۔ اب بھی وہ بے چینی سے ابا سے پوچھ رہی تھیں۔

"بھائی جان! کیا ارادہ ہے پھر جہان کا۔" رسمی سی باتوں کے بعد اصل مدعا کی طرف آئیں۔ ابا کو ان کا دل توڑنا مناسب نہ لگا۔

"صبر کرو عابدہ! جہان ابھی کچھ عرصہ اور حالات کو جانچنا چاہتا ہے پھر ہی کوئی فیصلہ کرے گا۔ باقی اللہ بہتر کرے گا۔" ان شاء اللہ نپے تلے لفظوں میں وہ اپنے خدشات چھپا گئے۔

www.dailyurdubooks.com
URDU BOOKS DAILY

"اور کتنا عرصہ بھائی جان۔! دو سال سے یہ رسہ کشی ہو رہی ہے۔ ادھر سارا سسرال مجھ پر چڑھ دوڑتا ہے کہ میں اپنے فائدے کے لیے بیٹے کو نہیں چھوڑ رہی۔" وہ مایوس تھیں اور دکھی بھی۔

"خیر۔ تم دل چھوٹا مت کرو۔ جہان بہت سمجھ دار لڑکا ہے وہ ہرگز جذباتی پن میں ایسا کوئی بھی فیصلہ نہیں کرے گا جو باعث پریشانی ہو تم لوگوں کے لیے۔"

انہیں تسلی دے کر اور چند ادھر ادھر کی باتیں کر کے انہوں نے فون تو بند کر دیا مگر آج رات ان کے گھر میں بھی کیسا طوفان آنے والا تھا وہ بے خبر تھے۔

☆☆☆

میشا کب سے مہروش کے سر ہوئی تھی کہ وہ اس ڈیزائن کو کاپی کر دے مگر وہ ٹالے جا رہی تھی۔ ایمن مسکراتے ہوئے ان کی بحث انجوائے کرتی کل دیے جانے والا لیکچر تیار کر رہی تھی۔

"میشا! کل بنا دوں گی نا۔ اس وقت مجھے سکون سے یہ کتاب ختم کرنے دو۔" مہروش جیسے عاجز آ گئی۔

"کل۔؟ آپ مجھے تین دن سے ٹال رہی ہیں اور ادھر وہ زری بچی نے الگ جان کھائی ہوئی ہے کہ یہ شرٹ واپس لا دوں۔ اسے چاہیے۔" وہ روہانسی ہو گئی۔ مہروش نے اسی بے نیازی سے جواب دیا۔

"تو دے دو۔ اگلے ہفتے پھر لے آنا۔ میں بنا دوں گی۔"

"بس مجھے نہیں چاہیے، رہنے دیں آپ!" اس نے شرٹ کو زور سے لپیٹا اور منہ پھلائے اٹھنے لگی۔ ایک گہری سانس بھرتے مہروش نے کتاب بند کی اور ناراض سی میشا کے ہاتھ سے وہ شرٹ کھینچ لی۔

"ٹھیک ہے کل تک کر دوں گی۔ پرسوں بے شک تم دے دینا زری کو۔"

"آپ....."

میشا کی بات ادھوری رہ گئی جاوید بھائی کے زور زور سے بولنے کی آواز پر وہ تینوں ہی خاموش ہو کر ایک دوسرے کو دیکھنے لگی تھیں۔ جاوید بھائی جیسے نرم خو اور دھیمے لہجے والے انسان کا اتنی زور سے بولنا۔ یقیناً کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ ایمن ایک دم سب چھوڑ چھاڑ کر باہر کو لپکی اور اس کے پیچھے یہ دونوں بھی۔ ابا کے کمرے کا منظر غیر متوقع تھا۔ اماں سر جھکائے رو رہی تھیں۔ تو ابا بڑے ضبط سے جاوید بھائی کا سرخ چہرہ دیکھ رہے تھے۔

"یہ سب میری برداشت سے باہر ہے ابا، ہمیشہ آپ کے کہنے پر میں اس جاہل اور بد دماغ عورت کو ڈھیل دیتا رہا کہ شاید اسے اپنی غلطی کا احساس ہو جائے۔ شاید سدھر جائے مگر نہیں۔ اب مزید نہیں۔ میں اب مزید برداشت نہیں کرنے والا۔"

انہوں نے ہاتھ کا مکا بناتے ہوئے کرسی پر مارا۔ وہ تینوں دروازے کے فریم میں کسی تصویر کی طرح ایستادہ کھڑی تھیں۔ نجانے بات کیا تھی۔

"کیا کرو گے تم.....؟ کیا کر سکتے ہو۔" اماں نے روتے ہوئے ایک دم سر اٹھایا تھا۔ ان کا لہجہ بہت عجیب سا تھا۔ بے بسی و غصہ سے ملا جلا۔

"میں اسے چھوڑ دوں گا اور بچہ بھی۔"

"جاوید....." ابا کی بلند آواز میں ان کے الفاظ دب گئے۔ "چھوڑ دو گے۔ جانتے ہو کیا کہہ رہے ہو، ایسا عمل جس کے کرنے سے عرش ہل جائے۔ اسے کرنے کو تم کتنی آسانی سے سوچ رہے ہو۔ اپنے بچے کا سوچا ہے۔؟ اس کا کیا قصور ہے جو تم انہیں یہ سزا دینا چاہتے ہو۔"

"تو آپ بتائیں ابا..... میں کیا کروں۔ میں تو خود سے بھی نظریں نہیں ملا پا رہا۔"

ان کی دھیمی آواز آخر میں رندھ سی گئی۔

"اپنی بیٹیوں کے متعلق سوچنے اور فیصلے کرنے کو ہم ابھی زندہ ہیں۔ تم ثروت کو بتا دینا۔ باقی اس کی اپنی مرضی ہے آتی ہے یا نہیں۔ تم اسے مجبور نہیں

www.dailyurdubooks.com
URDU Books DAILY

کرتے جہاں چاہے رہے۔ تم اس کے نان ونفقے کے ذمہ دار ہو۔ وہ تم ادا کرتے رہو۔" پہلی بار اماں کا لہجہ اتنا تلخ ہوا تھا۔ ابا بھی خاموش تھے گویا انہیں اماں کی بات سے پورا اتفاق ہے۔ "تمہاری بار نہ جانے مجھ سے کہاں غلطی ہوگئی کہ میں ثروت کی فطرت ہی نہ سمجھ سکی۔ زندگی بھر کا روگ گلے لگا لیا ہم نے تو۔"

جاوید بھائی بڑے تاسف و بے بسی سے سر جھکائے اب اماں کو سن رہے تھے۔ انہوں نے ساری زندگی بہت صبر و شکر سے گزاری تھی مگر آج کے واقعہ نے جیسے سارے زخموں کا منہ ادھیڑ دیا تھا۔ ابا خاموش تھے۔ نجانے کیا سوچ رہے تھے۔ ایمن نے گہرا سانس بھر کے ان دونوں کو دیکھا جو الجھتے ہوئے، سارا معاملہ سمجھنے کی کوشش کر رہی تھیں پھر قدم واپس اپنے کمرے کی طرف بڑھا دیے۔

☆☆☆

کچن سے مہروش کی اٹھا پٹخ جاری تھی آج میشا نے کالج کے آخری دو پیریڈز چھوڑ دیے تھے۔ رات دیر تک نیند ہی نہیں آئی تھی۔ سو کالج میں بھی طبیعت بیزار ہی رہی۔ اب بھی وہ تخت پر لیٹی درخت پر نظریں ٹکائے چڑیوں کے خالی گھونسلوں کو تکے جا رہی تھی۔ دھوپ آج صبح سے ہی مرجھائی پھیکی پھیکی سی تھی مشرق کی طرف سے بادل آ رہے تھے جس کا مطلب تھا بارش۔ اور بارش کے ساتھ ہی سردی بڑھنے کے امکانات بھی تھے۔

اماں نے جائے نماز کا کونا موڑتے اسے دیکھا جو نجانے کن سوچوں میں گم تھی۔

"اٹھو میرے بچے۔ نماز پڑھ لو۔"

ان کی نرم آواز پر اس نے کسلمندی سے کروٹ لی پھر چند لمحے بعد اٹھ کر گئی۔ دو دن سے گھر کی فضا بجھی ہوئی اجنبی سی تھی اور جن کا سارا کیا دھرا تھا وہ یقیناً بہت آرام سے تھیں۔

اماں نے ایک آہ بھر کر تسبیح اٹھالی۔ ثروت کی باتوں اور عمل نے جو چوٹ دل پر لگائی تھی اس کا مرہم کہاں تھا.....؟

بیٹیاں تو بڑی پیاری چیز ہوتی ہیں کوئی بوجھ تھوڑی کہ جدھر مرضی اٹھا پھینکا۔ کوئی ان کے دل سے پوچھتا کہ یہ آنگن کی چڑیاں تو رونق و رحمت تھیں۔ اب اگر ایمن اور مہروش کا نصیب نہیں کھل رہا تھا تو اس کا یہ مطلب تھوڑی تھا کہ انہیں جان بوجھ کر اندھے کنویں میں دھکا دے دیا جائے۔ اور ضرور..... ثروت یہی چاہ رہی تھی۔ اتنے دنوں میکے میں قیام درحقیقت کس سلسلے میں تھا۔ یہ عقدہ اس کی فون کال پر جاوید کے ہاتھوں اب کھلا تھا۔ جاوید کا غصہ سے لال بھبوکا چہرہ اور بلند آواز پر انہیں علم ہوا کہ اس کا مطالبہ کیا تھا۔ ایک رنڈوا، دو بچوں کا باپ اور دوسرا ایک ٹانگ سے معذور ادھیڑ عمر۔ اپنی دانست میں اس نے دو شاندار رشتے ڈھونڈے تھے نہ صرف ڈھونڈے تھے بلکہ ڈھٹائی سے اصرار بھی کہ انہیں قبول بھی کیا جائے۔

"اماں۔ اوہ کہتی کہ اب اس کا گزارہ تندوں کی فوج کے ساتھ مشکل ہے۔ رنڈوا چاہے دو جوان ہوتے بچوں کا باپ سہی مگر صاحب حیثیت ہے اور دوسرا جو ایک ٹانگ میں لنگ رکھتا ہے اس کی صرف عمر ہی تھوڑی زیادہ ہے، باقی ہر لحاظ سے اچھا ہے۔"

اس رات جاوید کی زبانی ثروت کے خیالات جان کر انہیں شدید رنج پہنچا تھا۔

ثروت نے گھر آنے کی شرط ہی یہ رکھی تھی کہ اس کے تلاش کیے گئے رشتوں کو شرف قبولیت بخشا جائے۔ ورنہ وہ کبھی ادھر نہیں آئے گی۔

اماں کا دل دولخت ہو گیا انہوں نے تو ساری زندگی اپنی پرائے کی تخصیص کے بغیر محبت ہی بانٹی تھی۔ حسد، کینہ، دل آزاری جیسے اوصاف تو انہوں نے اب جا کر دیکھے تھے وہ بھی کس میں.....؟ جس کو اپنے ہاتھوں سے چاہ بیاہ کر لائی تھیں۔

مہروش کھانے کی ٹرے لیے باہر آئی تو ان کی نگاہ اس کے سادہ سے چہرہ پر ٹک گئی۔ کیا کمی تھی اس میں۔ سوائے اس ایک سانچے کے داغ کے۔ ایک ہوک سی ان کے دل سے اٹھی تھی۔

www.dailyurdubooks.com
URDU BOOKS

"میشا تم بھی آجاؤ۔"

اس نے دعا کرتی میشا کو آواز دی اور جائے نماز تہہ کر کے تخت پر رکھی ٹرے کے پاس جم کر بیٹھ گئی۔ تسبیح پڑھتے ہوئے اماں نے بڑے چپکے سے آنکھوں میں آئی نمی کو صاف کیا۔

☆☆☆

زندگی کے کتنے بہروپ ہیں کوئی نہیں جان سکا کبھی۔ ہر روز ایک نیا تماشا لمحہ بہ لمحہ بدلتی اس کی روانی کو کوئی چیز بھی متاثر نہیں کر سکتی۔۔۔ ہاں ہمیں لگتا ہے جیسے وقت ٹھہر گیا ہو مگر درحقیقت وقت نہیں ہماری سوچیں ہوتی ہیں جو ہمیں جامد کر کے ایک مقام پر کھڑا کر دیتی ہیں۔ پھر ہم چاہ کر بھی آگے نہیں بڑھ پاتے۔"

کتاب بند کرتے مہروش نے اور گرد ایک نظر دوڑائی۔ گھر سارا بھائیں بھائیں کر رہا تھا۔ صبح پھوپھو اماں کا فون آیا تو ابا اماں کو لے کر ادھر نکل گئے۔ ایمن اور میشا کالج۔ میشا کا سوچ کر ایک لمحہ کو تبسم ہونٹوں کو چھو گیا۔

پچھلے دو دن سے مسلسل بارش ہو رہی تھی۔ آج جا کر کہیں دھوپ نے شکل دکھائی تھی۔ مہروش نے سکھ کا سانس لیا۔ ورنہ دو دن سے تو میشا بڑے آرام سے کالج سے چھٹی کر کے گرم لحاف میں دبکی رہی تھی ساتھ میں اس کی مسلسل فرمائشیں۔

"ابا! گرم مونگ پھلیاں۔"

"مہروش! پلیز چائے۔"

"کافی پینے کو دل چاہ رہا ہے۔"

"ابا! جلیبیاں۔ گڑ۔"

کبھی حلوے اور پکوڑوں کی فرمائش۔ آخر اماں نے ٹوک دیا۔

"مہینہ بھر کا راشن کیا دو دن میں ہی ختم کرنے کا ارادہ ہے تمہارا۔"

اور اس بات پہ وہ ناراض ہوئی۔ تب اس کی حمایت میں سب بول پڑے تھے۔

مہروش کا تبسم گہرا ہو گیا۔ وہ ایسی تھی بے قرار، پرجوش اور معصوم سی۔ اسے دیکھ کر زندگی کا احساس ہونے لگتا تھا۔ جبکہ وہ خود کیا تھی۔؟ ذمہ داریوں اور مصروفیات میں بدفن ایک بے حس وجود۔! وہ شروع سے ایسی تو نہ تھی۔ اس نے دونوں ہاتھوں کو چہرے پر رکھا۔

فضا ایک دم چڑیوں کی چہچہاہٹ سے گونجی تھی۔ شاید انہیں بھی وہ الہڑ اور ہنس مکھ سی لڑکی یاد آئی تھی جو زیادہ بولتی تو نہ تھی مگر ہمہ وقت ایک روشن سی مسکراہٹ اس کی آنکھوں اور چہرے پر رقصاں رہتی تھی۔

مہروش نے نیلے آسمان کی وسعتوں کو دیکھا۔ سفید بادل بے کھڑے روئی کے گالوں کی مانند بکھرے کسی اجنبی دیس کی طرف محو سفر تھے۔ اور ایک اجنبی اس کی زندگی میں تو آیا تھا اور اسے پتھر کی مورتی بنا گیا، بے جان۔

اسے یاد تھا جب ایف اے کے بعد اس نے مزید پڑھنے سے انکار کر دیا تھا اس کا دل گھر میں زیادہ لگتا تھا۔ ایمن کے سمجھانے پر اس نے پرائیویٹ تعلیمی سلسلہ جاری رکھنے کا وعدہ کر لیا۔ فورتھ ایئر کے پیپر دے کر وہ فارغ ہی ہوئی تھی کہ اس کے لیے ایک بہت اچھا رشتہ آ گیا۔ ابتدائی آمد و رفت کے بعد چھان بین کر کے ہاں کر دی گئی۔ تب وہ کتنی حیرت زدہ تھی۔ اس نے فہد کی تصویر دیکھی۔ کیا وہ اتنی خوش قسمت تھی کہ اسے فہد جیسے ہینڈسم، پڑھے لکھے لڑکے کا ساتھ مل رہا تھا۔ فہد کا اپنا بزنس تھا۔ بڑا سا بنگلہ۔ گاڑی، مختصر سی فیملی۔ اسے صرف شریف اور وضع دار لوگوں کی تلاش تھی۔ رشتہ ابا کے ایک جاننے والے کے توسط سے آیا تھا۔ اس کی خوش نصیبی میں کوئی دورائے نہیں تھی۔ تب وہ کتنی جھینپی جھینپی رہتی تھی۔ اماں اٹھتے بیٹھتے شکر ادا کرتے نہیں تھکتیں۔ البتہ بھابھی اسے عجیب کاٹ دار نظروں سے گھورا کرتیں۔

"ایسا بھی کیا خاص ہے اس میں۔ جو اتنے بڑے گھر کا رشتہ آ گیا۔ یقیناً اس کا ہی کوئی

www.dailyurdubooks.com
URDU BOOKS

چکر ہوگا۔" وہ فون پر کسی سے کہہ رہی تھیں تب اس نے سن لیا اور کٹ سی گئی۔ وہ اس کی کردار کشی نجانے کس کس سے کر رہی تھیں۔

فہد کو ایک بزنس ڈیل کے سلسلے میں باہر جانا تھا سو منگنی کی بجائے دو ماہ بعد اس کی واپسی پر ان کا نکاح رکھ دیا گیا۔ تب ایمن ایک دن موبائل ہاتھوں میں پکڑ آگئی اس کے۔

"کون..... کون ہے؟" پوچھتے ہوئے وہ فون کانوں سے لگا چکی تھی۔ جب ایک اجنبی شوخ سی آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی۔

"خادم کو فہد کہتے ہیں۔" اسے کرنٹ لگا کہ موبائل کانوں سے ہٹایا تھا۔"

"آپی....." اس نے کہنا چاہا مگر ایمن نے انگلی منہ پر رکھ کر خاموش رہنے کا اشارہ کیا تھا۔

"کیسی ہیں آپ۔ یقیناً میری طرح آپ بھی آج کل ہواؤں کے سفر پر ہوں گی۔"

اس کی سرشاری، اس کی ہنسی..... اس کی شوخی مہروش کے کنوارے دل کے تاروں کو چھیڑ گئی۔

"زندگی کا یہ موڑ کیا سب ہی کے لیے ہی اتنا سنسنی خیز اور حسین ہوتا ہے۔؟" وہ ایس سے پوچھ رہا تھا۔ جبکہ اس کی آواز ہی نہیں نکل رہی تھی۔

"ہیلو ہیلو۔ مہروش۔ کہیں آپ گونگی تو نہیں۔ اوہ مائی گاڈ۔"

اس کے پریشان لہجے پر وہ بے ساختہ بول پڑی۔

"نہیں..... نہیں تو....."

اور..... اس کے بلند قہقہے پر اسے اپنی حماقت اور اس کی شرارت کا احساس ہوا تھا۔ اس کی باتیں سن کر دل کی کلی اور زرخیز زمین پر ایک نئی کونپل چپکے سے پھوٹی تھی۔ آدھے گھنٹے کی اس فون کال میں اس نے بولا کم اور سنا زیادہ تھا۔ اس کے اصرار پر بھی وہ کھل کر بول نہ پائی تھی۔ وہ اپنے نئے کنوارے جذبات اپنی فطری شرمیلے پن میں چھپائے بس اسے سنے گئی جو شاید لفظوں کا جادوگر تھا۔ پھر بعد میں دوبارہ اس کا فون سننے کے بعد اس نے ایمن کو اس کی کال دینے سے منع کر دیا۔ وہ اس کی شوخی، اس کی جرات کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی۔ وہ باتوں کا کھلاڑی تھا۔ پرجوش اور اس سے بھی جواباً طلب گار تھا۔ وہ اپنی جھجک اور شرم میں اس کی فرمائش پوری نہیں کر سکتی تھی۔ یوں بھی بیچ میں دن ہی کتنے تھے۔ پھر تو انہیں ایک شرعی رشتے میں بندھ ہی جانا تھا۔

اماں، آپا کے ساتھ مل کر بہت پرجوش سی اس کے نکاح کی تیاریوں میں مگن تھیں۔ نکاح کے بعد اس کے پیپرز ہونے تھے۔ فہد کو اپنا بزنس یو۔ ایس میں سیٹ کرنے جانا تھا سو اس کے والدین کی خواہش تھی کہ وہ اپنی شریک حیات کے ساتھ جائے۔ اماں اسی حساب سے سب کر رہی تھیں۔ خاندان بھر میں اس کی خوش نصیبی کے ڈنکے بج رہے تھے۔ لوگ کچھ رشک، کچھ حسد سے یہ خبر سن کر حیرت کا اظہار کر رہے تھے۔ وہاں ایمن کی ذات کو بھی رگیدا جا رہا تھا جو اپنی نئی جاب کی وجہ سے فی الوقت شادی نہیں کرنا چاہتی تھی۔ بھابھی کا رویہ عجیب سا روکھا سا اور حاسدانہ بھی۔

نجانے ایمن نے کیا کہا تھا کہ پھر فہد کا فون نہیں آیا۔ مہروش بڑی مطمئن سی خوابوں کی سرزمین پر پھول اگاتی رہی۔ آنے والے لمحے سے بے خبر۔ بند آنکھوں سے خوابوں کے راستے پر ہر روز انجان راہ گزاروں کی مسافت طے کرتی اور صبح ایک خوب صورت سی مسکان اس کے لبوں پر کھلی رہتی۔ وہ شروع سے ہی خوابوں کی دنیا میں رہنے والی ایک معصوم سی لڑکی تھی۔ جس کی زندگی میں سب کچھ ہی خوب صورت تھا۔ جو امکان کے اچھے پہلوؤں کے بارے میں ہی سوچتی اور اسے لگتا کہ دنیا بھی ایسی ہی ہے۔ اچھائی سے لبریز اور خوب صورت۔

انکل آنٹی آ کر نکاح کی تاریخ رکھ گئے گھر میں ہنگامے سے جاگ اٹھے۔ محلے کی لڑکیاں روزانہ شام کو آ جاتیں تو ایک خوش گوار سا شور سارے گھر میں چکراتا پھرتا۔ اور پھر وہ دن بھی آ گیا جب اسے خوابوں کا حسین سرخ جوڑا پہننا تھا۔ رات کی اس کی

www.dailyurdubooks.com
URDU BOOKS DAILY

دوست نے اس کے ہاتھوں میں بھر بھر مہندی لگائی تھی جس کا رنگ خوب گہرا آیا تھا۔ وہ پارلر جانے کے لیے نکلنے ہی والی تھی۔ جب غیر متوقع طور پر فہد کے والدین آ گئے۔

ان کے اترے چہرے اور اس پر نظر آتی رنجیدگی ایک لمحے سب کا دل دھڑکا گئی۔ وہ ڈرائنگ روم میں بیٹھے اس کی زندگی کا ایک تاریک فیصلہ بہت شرمندگی سے سنا رہے تھے۔ فہد نے نکاح سے انکار کر دیا تھا۔ ابا، اماں، آپا جاوید بھائی کئی لمحوں تک تو سکتے سے بت بنے انہیں دیکھتے ہی رہے۔ ایمن جو دروازے تک آئی تھی وہیں جم سی گئی۔ البتہ بھابھی واحد وہ ہستی تھی جو بڑے اطمینان سے یہ خبریں سن رہی تھیں جیسے خوش خبری ہو۔

"میں جانتا ہوں عبید صاحب۔ یہ مقام کیسا کڑا ہے آپ پر۔ جو نا قابل بیان اذیت و دکھ آپ کے دلوں پر گزر رہا ہے اس کے لیے دنیا میں شاید ہی کوئی الفاظ ہوں۔ مگر ہم بہت مجبور ہو گئے ہیں۔ نظریں ملانے کے قابل بھی نہیں رہے آپ سب سے۔ آپ خدارا ہمیں معاف کر دیں۔ چاہیں تو جوتا اٹھا کر ہمارے سر پر ماریں، ہم اف بھی نہیں کریں گے کہ ہم ہیں ہی اسی قابل۔"

فہد کی والدہ نے انتہائی بے بسی سے خاموش بیٹھے ابا کو دیکھا جن کے سر کے ساتھ کندھے بھی جھکے ہوئے تھے۔

"یہ کوئی مذاق تو نہیں جو یوں یہ رشتہ....."

سب باتیں بے معنی رہیں۔ جاوید نے کیا کہا۔ ابا نے کیا سنا۔ وجہ انہوں نے جو بھی بتائی ہو مگر سارے خاندان میں یہ مشہور ہو گیا کہ فہد کو اس کے کردار پر شک ہو گیا تھا۔ اس نے اسے کسی کے ساتھ دیکھ کر عین نکاح سے پہلے یہ رشتہ ختم کر دیا۔ اس کے کردار پر شک والی بات نے مہروش کو ذلت کی اتھاہ گہرائیوں میں اتار دیا تھا۔ بات کس کے منہ سے نکلی۔ کب نکلی؟ کیونکر نکلی؟ اور ایسے پھیلی جیسے جنگل میں آگ۔ یہ معلوم نہ ہو سکا۔ مگر زخم پر کھرنڈ آتے آتے ماہ وش کا وجدان نجانے کیوں اسے آگاہی دینے لگا۔ بھابھی سے اس کی سرد مہری اور تناؤ میں اضافہ ہوتا گیا اور اس کا مزاج سنجیدگی سے ہوتا ہوا تلخی و خاموشی میں بدل گیا۔ وہ خوابوں کی دنیا میں رہنے والی، الہڑ اسی لڑکی نجانے کہاں چلی گئی تھی۔

☆☆☆

"میشا..... میشا۔"

کینو کھاتی میشا اچھل پڑی۔

"ارے جگنو..... ادھر ہی آ جاؤ۔"

پچھلے برآمدے میں وہ اس وقت بیٹھی فراغت سے کینو کھانے میں مگن تھی۔ جب جگنو چلا آیا۔ وہ اس سے دو سال ہی چھوٹا تھا۔ سو خالہ کا تکلف کم ہی کیا کرتا تھا، وہ بھی جب موڈ آف ہوتا۔

پچھلے دو سال میں اس نے ایک دم ہی تاڑ کے جیسا قد نکالا تھا کہ میشا اب بمشکل اس کے کندھے تک ہی پہنچتی تھی۔ اسی لیے سارہ کہتی بلکہ جگنو کو چھیڑتی کہ میشا کو تمہیں بھائی جان کہنا چاہیے۔

"آہا.....! اکیلے ہی اکیلے کینو کھائے جا رہے ہیں۔" وہ دھپ سے اس کے برابر آ بیٹھا۔

"تم بھی کھاؤ اور یہ بتاؤ کہ آپا بھی آئی ہیں ناں۔"

"نہیں..... ماما تو نہیں آئیں۔ نانو کے لیے کچھ بھیجا ہے۔ سو میں ہی آیا ہوں۔" کینو چھیلتے اس نے اطلاع دی۔ میشا کو مایوسی ہوئی۔

"تو تم سارہ کو ہی لے آتے ناں۔"

"کل اس کا ٹیسٹ ہے ضروری..... اور تم یہ بتاؤ! تمہیں میرے آنے پر کوئی خوشی نہیں ہوئی جو مسلسل منہ لٹکائے ہوئے ہو۔" آخر اس نے برا مان ہی لیا تھا۔ میشا نے بے نیازی سے کندھے اچکائے۔

"ٹھیک سمجھا تم نے..... تم اتنے بور ہوتے جا رہے ہو۔ تم سے کیا بات کی جائے۔ ویسے آپا نے کیا بھیجا ہے؟"

"کیوں بتاؤں تمہیں۔" اس کی بے نیازی پر منہ پھلائے اس نے صاف جواب دیا۔

www.dailyurdubooks.com

"مت بتاؤ۔ میں کون سا مری جا رہی ہوں اور ہاں یہ کینو کی ٹوکری اب دے دو ادھر۔" ٹوکری جو اب فرش سے جگنو کی گود میں منتقل ہو چکی تھی اس نے چھیننی چاہی مگر وہ بچہ دے گیا۔

"جگنو..... جگنو کے بچے بدتمیز۔"

"میرے بچے؟ کہاں ہیں؟ مجھے نظر کیوں نہیں آ رہے؟"

"جگنو....." دور دہانسی ہو گئی۔

"جگنو نہیں۔ میرا نام جہانگیر مرتضیٰ ہے۔"

وہ مسلسل ٹوکری اوپر کیے اسے ستا رہا تھا۔ اسی وقت اس کے موبائل کی بیل ہوئی۔ اس نے جیب سے سیل نکال کر نمبر دیکھا۔ آپا کا فون تھا۔ اس نے مسکراتے ہوئے ٹوکری اسے پکڑائی جو اب زچ ہو چکی تھی پھر موبائل کان سے لگا لیا۔

"جی ماما..... جی دے دی تھیں۔ جی جی ٹھیک ہیں۔ آپ کی بات کرواتا ہوں ان سے۔ بس پھر آتا ہوں۔ کیا کروں یہ چھوٹی خالہ نہیں جانے دے رہیں۔ کہہ رہی ہیں کہ چائے پی کر جاؤں، وہ کچھ اسپیشل بنا رہی ہیں۔" اسے شرارت سے دیکھ کر وہ مسکراتے ہوئے اماں کے کمرے کی طرف چل دیا۔ میشا اسے اس جھوٹ پر گھورتی رہی مگر ادھر پروا کسے تھی۔

پھر جگنو واقعی چائے پی کر ہی گیا۔ میشا نے اس کے لیے کباب تلے اور سموسے بھی۔ جو بھی تھا اسے یہ دونوں بہن بھائی بہت عزیز تھے۔

آپا کو اللہ نے صرف دو ہی بچے دیے تھے۔ بظاہر ان میں کوئی مسئلہ نہ تھا مگر ان دو جڑواں بہن بھائی کے بعد ان کے آنگن میں کوئی پھول نہ کھل سکا۔ اکثر تو مرتضیٰ بھائی میشا کو دیکھ کر انہیں شرارت سے اکساتے بھی کہ "دیکھو جب میشا اتنی اچانک آ سکتی ہے تو اللہ ہمیں بھی کوئی پری دے سکتا ہے۔ بس تم ہمت و حوصلہ جوان رکھو اور کوشش جاری رکھو۔"

آپا انہیں گھورتیں کہ انہیں بچوں کے سامنے یہ بات کہتے شرم نہیں آتی مگر وہ قہقہہ لگا کر خوش دلی سے ہنستے رہتے۔

میشا کی پیدائش کا قصہ بھی عجیب ہی تھا۔ اماں بتاتی تھیں کہ آپا، ایمن اور جاوید کے بعد انہیں مزید بچوں کی خواہش نہیں رہی تھی مگر پہلے مہروش اس کے دس سال بعد غیر متوقع طور پر میشا چلی آئی تھی۔ اماں تو مارے شرمندگی کے اسے زیادہ اٹھاتی بھی نہ تھیں۔ باقی سب کو البتہ ایک کھلونا سا مل گیا تھا۔ بڑی بڑی آنکھوں اور اجلی رنگت والی وہ چینی سی بچی زیادہ تر بہنوں کی گود میں پلی۔

وہ سال بھر کی تھی جب ایف اے میٹرک کرتی آپا کا بہت اچھا رشتہ آیا اور جھٹ منگنی پٹ بیاہ کے مصداق وہ اپنے گھر سدھاریں۔ تب ایمن نے میشا کی ساری ذمہ داری اپنے سر لے لی۔ ان دنوں ابا مڈل اسکول میں اسلامیات کے استاد تھے۔ گھر کی ساری معاشی ذمہ داری ابا کے کاندھوں پر تھی۔ تب اچھا وقت تھا۔ اماں اپنی کفایت شعار طبیعت کی وجہ سے سلیقے سے گھر گرہستی چلا رہی تھیں۔

ایف اے کرتے ہی جاوید کو لاہور میں جا کر پڑھنے کا شوق اٹھا۔ ابا کے وسائل اتنے اخراجات کے متحمل نہیں ہو سکتے تھے مگر بیٹے کے اچھے مستقبل کو بھی نظر انداز کرنا مشکل تھا۔ تب ایمن نے گھر میں ٹیوشن پڑھانا شروع کر دیں۔ مرغیاں اماں نے گھر میں تو پالی ہوئی تھیں۔ انہی دنوں کیاریوں میں مزید سبزیوں کا اضافہ کر کے بچت کی کوشش کی گئی۔ تب گھر کا پچھلا حصہ کچا پڑا تھا۔ وہاں ایک چھوٹا سا کھیت ہی بنا دیا گیا۔ چھوٹی مہروش دن کا بیشتر حصہ ان کیاریوں میں مٹی سے کھیلتے ہی گزارتی۔ لاکھ ایمن اسے گھسیٹ کر واپس لاتی۔ منہ ہاتھ دھلاتی، کپڑے پہنا کر بٹھا دیتی مگر جونہی نظر چوکتی تو وہ وہاں مرچی اور چوزوں کے ساتھ پائی جاتی۔

اپنے سے ایک سال بڑے جاوید کے ساتھ ایمن کی بہت دوستی تھی۔ وہ اسے لاہور سے لمبے لمبے خط لکھا کرتا۔ اس کے بہت سے خواب تھے۔ اونچے ارادے تھے اور وہ اس کی محنت کا معترف تھا جو وہ کر

www.dailyurdubooks.com
DAILY URDU BOOKS

رہی تھی۔ مگر ایم بی اے کے تیسرے سمسٹر میں ہی ابا کو ایک دن انجائنا کا درد اٹھا۔ یہ درد ان سب کی زندگی سے معمور چہروں کو زرد کر گیا۔ بروقت طبی امداد سے وہ جلد بہتر ہو گئے۔ مگر پھر زیادہ مشقت کرنے سے تھکنے سے لگے۔ جاوید کو بہت بعد میں خبر ہوئی تو وہ دوڑا چلا آیا۔

"آپ نے مجھے اطلاع کیوں نہیں دی۔ اگر کچھ ہو جاتا؟ اکیلے کیسے سب سنبھالتی رہیں؟" وہ بہت شدید ناراض تھا۔

اماں نے اسے تسلی دی جہان نے ان کا بہت ساتھ دیا۔ بہت خیال رکھا وہ اسے پیار سے منائی رہیں۔ مگر وہ ابا کی پٹی سے لگا بیٹھا رہا۔

ابا اس کی ناراضی دیکھ کر مسکرائے گئے۔ وہ واپس آنا چاہتا تھا۔ مگر ابا نے منع کر دیا۔ غرض بمشکل اسے سمجھا بجھا کر اسے بھیج دیا گیا۔ مگر دل میں ہونے والی تکلیف نے انہیں کل از وقت ریٹائرمنٹ لینے پر مجبور کر دیا۔ تب ایمن ایف۔ اے کر کے گھر بیٹھی تھی اس کا ارادہ پرائیویٹ بی۔ اے کرنے کا تھا مگر حالات کے پیش نظر اس نے صبح کے وقت ایک پرائیویٹ اسکول میں نوکری کر لی۔ عصر کے وقت وہ بچوں کو ٹیوشن پڑھاتی مگر ان جیسے متوسط طبقے کے علاقے میں رہنے والے اوسط درجے کے لوگ تھے جن سے زیادہ فیس کی توقع عبث تھی۔

جاوید کے ایم بی اے کرنے تک اس نے سی ٹی کا امتحان دے دیا اور پرائیویٹ بی۔ اے کی تیاری بھی جاری رکھی۔ جاوید واپس آ گیا تو یہیں نوکری کی تلاش میں لگ گیا۔ سال بھر کی بے روزگاری کے بعد اسے اپنے مطلب کی نوکری مل ہی گئی۔

وقت گزرتا رہا۔ ایمن بی۔ اے..... بی۔ ایڈ کرنے کے ساتھ نوکری کرتی۔ سرکاری نوکری کے ملتے ہی اسے بھی سکون ہوا مگر یہ بھی عارضی تھا۔ اس دوران اس کے کتنے ہی رشتے آئے مگر وہ انکار کرتی رہی۔ جاوید کی تعلیم، گھر کے اخراجات، ابا کی بیماری پھر چھوٹی بہنوں کی پڑھائی۔ یہ سب ابا کی پنشن میں ممکن نہ تھا۔ سو وہ خاموشی سے خود بخود اس گھر کا ایک معاشی ستون بن گئی۔

اماں جاوید کی نوکری لگنے کے انتظار میں تھیں تاکہ وہ بھی ایمن کے ہاتھ پیلے کر کے اسے رخصت کر سکیں مگر نوکری لگنے کے سال پھر بعد ہی جاوید نے اماں سے اپنی شادی کی بات کر دی۔ ثروت کو اس نے کالج سے آتے جاتے اکثر دیکھا تھا۔ دفتر جاتے وقت بھی کئی مرتبہ اس کا ٹاکرا ہوا۔ اسے وہ لمبی اونچی لڑکی بھا گئی تھی۔

اماں اس کے منہ سے یہ بات سن کر چپ سی ہو گئیں۔ اعتراض انہیں ثروت سے پسند کی شادی پر نہ تھا بس دکھ سا ہوا کہ اسے اپنے سے چھوٹی اس بہن کا خیال نہ آیا جو کب سے مشقت میں اس گھر کے آرام کے لیے جتی ہوئی تھی۔ انہوں نے ابا سے اظہار کیا مگر وہ انہیں نرمی سے تسلی دینے لگے کہ جب جس کا نصیب ہوگا۔ ہو جائے گا۔

یوں ثروت اس گھر میں آ گئی۔ پہلے تو اسے ایک کمرے پر اعتراض ہوا۔ ابا نے جاوید کے لیے پیچھے خالی پڑی کی جگہ جہاں اماں کا کھیت تھا وہاں دو کمرے اور ایک اٹیچڈ باتھ بنوا دیا۔ اماں کو اعتراض ہوا کہ یہ پیسے انہوں نے بیٹیوں کی شادی کے لیے رکھے ہوئے تھے۔ ابا یہ بات بھی ٹال گئے۔

دوسرا اعتراض اسے ان پیڑوں پر ہوا جن کی وجہ سے مچھر آتے تھے۔ بقول ان کے تیسرا اعتراض اسے جاوید کی ان بن بیاہی بہنوں پر تھا۔ اس کا خیال تھا کہ جاوید کی ساری زندگی ہی انہیں پالنے اور بیاہتے گزر جائے گی۔ سو اس کا رویہ شروع سے ہی لیا دیا رہا۔

شروع کے مہینے گزرنے کے بعد جاوید کو بھی اس کے مزاج اور تیوروں کا احساس ہونے لگا تھا۔ شادی بے شک اس نے پسند سے کی تھی مگر اپنے گھر والوں سے اسے بہت پیار تھا۔ اس نے بہت چاہا کہ ثروت ان میں گھلے ملے مگر وہ بھی ہٹ کی پکی نکلی۔ جاوید کی نصیحتوں اور جھکاؤ کی وجہ سے اسے ان سے

www.dailyurdubooks.com

مزید تیز ہوتی چلی گئی۔ ایمن اور جاوید کی دوستی اسے ایک آنکھ نہ بھائی وہ چاہتی کہ جاوید سارا وقت ہی اسے دے۔ مہروش کی خوش دلی اسے ڈھکوسلہ لگتی اور مہروش وہ تو اس کے ماتھے کے بل دیکھ کر ہی ڈر جاتی۔ اس کے چہرے پر چھائی بے زاری چیخ چیخ کر سب کو احساس دلاتی رہتی کہ وہ انہیں مجبوراً برداشت کرتی ہے۔

مہروش اس کے رویے کو دیکھ کر اپنے خول میں سمٹ گئی۔ ایمن سمجھدار تھی اس نے غیر محسوس طریقے سے جاوید سے بے تکلفی کم کر دی۔ جاوید کی تنخواہ پر بھی اس نے گھر میں ہنگامہ کر دیا۔ وہ چاہتی تھی کہ تنخواہ پوری کی پوری اس کے ہاتھ میں آئے اور گھر کا خرچ وہ اپنی مرضی سے چلائے مگر جاوید نے اسے یہ من مانی نہ کرنے دی۔ ان کا ایک ہی بچہ تھا جو شادی کے دو سالوں بعد ہوا تھا۔ بقول ثروت کے۔

"منتوں مرادوں سے، ورنہ لوگوں نے تو تعویز کروا رکھے تھے مجھے پر۔"

اس کی ان جاہلانہ باتوں کا کوئی کیا جواب دیتا۔ خرچ پر بہت لے دی ہوئی وہ روٹھ کر میکے چلی گئی۔ تب ابا نے جاوید بھائی کو سمجھایا کہ وہ ساری تنخواہ ثروت کو ہی دے دیا کرے۔ ابا کے مشورے پر وہ بہت جز بز ہوا۔ خیر ایک طویل معرکے کے بعد ثروت واپس آئی۔

ان دنوں گھر کے حالات دیکھتے ہوئے ایمن کی سر توڑ کوشش تھی کہ اسے لیکچرر شپ مل جائے۔ ایم۔ اے کا ایگزام وہ کب کا دے چکی تھی اور اچھے نمبروں سے کامیاب ہو گئی تھی۔ جہانداد نے اس موقع پر اس کا بہت ساتھ دیا تھا۔ اس کے خلوص، ایمن کی محنت کو قسمت نے رائگاں جانے نہیں دیا اور اسے لیکچرر شپ مل گئی۔

اماں اس کی مزید نوکری کے حق میں نہ تھیں۔ وہ اب اس کے جلد ہاتھ پیلے کر دینا چاہتی تھیں۔ بہو کے تیور اور بیٹے کی بے بسی دیکھتے ہوئے انہیں جاوید سے کوئی امید نہ تھی سو اپنی زندگی میں ہی اسے اپنے گھر کا کر دینا چاہتی تھی۔

اسی دوران فہد کا رشتہ آیا مگر ایمن نے مہروش کو آگے کر دیا۔ وہ جانتی تھی کہ اب اسے ہی گھر کا بیٹا بن کے دکھانا پڑے گا۔ جاوید بہت اچھا تھا مگر اس کی قسمت کہ اسے ایک بدبخت اور حاسد عورت مل گئی جو اسے اب کسی کے ساتھ بھی اچھا کرتے نہیں دیکھ سکتی تھی۔ مگر آگے مہروش کا نصیب۔ وہ حادثہ اس کی زندگی پر ایک بدنما داغ بن کر پھیل گیا۔ یہ سب کیسے ہوا؟ اس وقت تو کسی کی بھی سمجھ میں نہ آیا۔ مگر مہینوں بعد آپا کو ایک دن فہد کی امی سے سر راہ ملاقات ہوئی تو انہوں نے پہچان کر روک لیا۔ آپا تو ان سے کوئی بات نہیں کرنا چاہتی تھیں مگر ان کے منت کرنے پر کہ وہ ان کی بات سن لیں۔ انہیں پتا چل گیا تھا کہ اس رشتے کو ٹوٹنے کے پیچھے کون تھا۔ انہیں رکنے پر مجبور کر گیا۔

"مجھے فہد نے بعد میں بتایا کہ تمہارے گھر سے ہی اسے فون کر کے مہروش کے بارے میں بدظن کیا جاتا رہا ہے۔ اور یہ سب کرنے والی تمہاری بھابھی ہی تھیں۔ خدا گواہ ہے اگر مجھے اس وقت ہی پتا چل جاتا تو میں بات کو بڑھنے سے روک دیتی۔ ہمیں آج بھی افسوس و شرمندگی ہے۔"

آپا تو دکھ سے کچھ کہہ ہی نہ پائیں۔ بعد میں انہوں نے اماں اور ابا کو بتا دیا۔ اماں ہک دک رہ گئیں۔ ابا نے دوٹوک کہہ دیا۔

"یہ بات یہیں دفن کر دو۔ خبردار، جو اس کی بھنک جاوید یا مہروش کو پڑی۔ دلوں میں نفرتیں اور فاصلے بڑھ جائیں گے۔ جس کا بوجھ نہ ہی میرے کندھے اور نہ ہی اس گھر کی بنیادیں برداشت کرنے کی سکت رکھتی ہیں۔"

دکھ تو انہیں بھی بہت ہوا تھا مگر انہوں نے اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کر دیا۔ اتنا عرصہ گزر جانے کے بعد بھی نہ ہی حالات بدلے تھے اور نہ ہی ثروت کے طریقے۔

☆☆☆

www.dailyurdubooks.com
URDU DAILY BOOKS

"بس کر دے میشا، اٹھاؤ یہ گند صبح سے لے کر بیٹھی ہوئی ہو۔"

اماں جو اسے صبح سے پاگلوں کی طرح رنگوں سے کھیلتے دیکھ رہی تھیں انہوں نے اب کے ٹوک ہی دیا۔

"بس اماں! تھوڑا سا کام ہی رہ گیا ہے پھر دیکھیے گا۔ سب کچھ ہی کیسے جگمگ جگمگ کرنے لگے گا۔"

چند ایک ہی گملے رہ گئے تھے۔ وہ بڑی محنت اور جانفشانی سے صبح سے ہی گملوں اور مٹی کے آب خوروں کو مختلف رنگوں میں رنگنے میں لگی ہوئی تھی۔ اسے یہ رنگ اڑے گملے اور سادہ سے آب خورے کب سے کھٹک رہے تھے۔ اتنے عرصے سے وہ اپنی جیب خرچ میں سے پیسے بچا بچا کر پینٹ کے ڈبے خریدنا چاہ رہی تھی۔ سو کل ابا سے اس نے پیلے، سرخ اور سبز رنگ کے ڈبے منگوائے تھے۔ جمع اس سے نہ ہوتا تھا۔ جب بھی ذرا سے پیسے جمع ہوتے وہ اس سے خرچ ہو جاتے۔ مگر اس دفعہ اس نے یہ کارنامہ جی کڑا کر کے کر ہی لیا اور اب نہایت جانفشانی سے گملوں کو پینٹ کر رہی تھی۔

"اتوار کا دن ہے کوئی نہ کوئی چلا ہی آتا ہے۔ اب بس کرو۔"

"کون آئے گا اماں! یا تو آپا یا پھر پھوپھو۔ ہمارا اور ہے ہی کون؟" مصروف سے انداز میں اس نے لاپروائی سے جواب دیا۔ سبزی کی ٹوکری اٹھا کر لاتی ایمن مسکرائی۔

دھوپ زمین پر آلتی پالتی مارے بیٹھی میشاء پر براہ راست پڑ رہی تھی۔ جس کی تمازت سے اس کے بھرے بھرے گال تمتما رہے تھے۔ چپٹی ناک اور بڑی بڑی آنکھوں والی میشا کے چہرے پر لڑکپن کی مخصوص بے فکری تھی جو اس کے چہرے کو ایک انوکھا سا حسن بخش رہی تھی۔ گلابی جرسی کی آستینیں چڑھائے وہ جھکے ہوئے سر کے ساتھ بڑے انہماک سے مگن تھی۔ اس کا بدن بھرا بھرا تھا وہ ان تینوں میں گپلو گپلو سی تھی اور اکثر جگنو اس کو صحت کے حوالے سے چھیڑتا رہتا تھا جس پر وہ خفا بھی ہو جاتی تھی۔ اتنی دھوپ میں بھی وہ جرسی اتارنے کو تیار نہ تھی کیونکہ ٹھنڈ اس سے ذرا بھی برداشت نہیں ہوتی تھی۔ ایمن کو وہ بہت عزیز تھی۔ سو محبت سے مسکرائے گئی۔

"اماں! اس رشتے کا کیا بنا۔" اماں کے پاس بیٹھتے اس نے نظر ان رنگ برنگے خوش رنگ گملوں سے ہٹائی جو اب پینٹ کے بعد بہت اچھے لگ رہے تھے۔

"تمہارے ابا نے معلومات کروائی ہیں۔ اچھے لوگ ہیں۔ مگر بیٹا۔ اس لڑکے پر بہت ذمہ داریاں ہیں پھر تعلیم بھی واجبی سی ہے۔"

"اگر لوگ اچھے ہیں تو یہ باتیں تو معنی نہیں رکھتیں ناں۔"

سلاد بناتے ہوئے اس نے رائے دی۔

"وہ تو ٹھیک ہے بیٹا۔ مگر ان لوگوں نے ایک شرط رکھی ہے۔"

"شرط.....؟ کیسی شرط۔" اس کا ہاتھ رک گیا۔

"لڑکے نے صاف صاف تمہارے ابا سے کہا ہے کہ اسے کاروبار کے لیے رقم چاہیے۔ اگر وہ انہیں پانچ لاکھ دے دیں تو وہ اپنا کاروبار بڑھا سکتا ہے۔"

ان کی ڈیمانڈ پر ایمن گہری سانس لے کر رہ گئی۔ وہ جانتی تھی ابا نے کیا جواب دیا ہوگا۔

"خیر فکر مت کریں۔ اللہ بہتر کرے گا۔" اس نے اماں کے مایوس چہرے کو دیکھ کر پیار سے تسلی دی۔

"اگر آج تمہارے ابا کے پاس اپنے فنڈز کی رقم ہوتی تو کیا مشکل تھی۔ ساری رقم جاوید کو دے کر اپنے ہاتھ کٹوا کر بیٹھ گئے۔ نہ ہی اس کا کاروبار چلا اور نہ ہی ڈوبی رقم واپس مل سکی۔"

اماں کف افسوس ملنے لگیں۔ یہ ان کا مزاج نہ تھا ایمن جانتی تھی کہ آج کل وہ بہت پریشان رہنے لگی تھیں وجہ ایک تو ثروت بھابھی کا مطالبہ تھا کہ

www.dailyurdubooks.com
URDU BOOKS

انہیں حصہ دے کر الگ کر دیا جائے۔

"جو ہونا تھا ہو گیا۔ اماں۔ اللہ پر بھروسا رکھیں۔ وہ ہی وسیلے بناتا ہے۔ وہ بہتر کرے گا۔"

"آپی! دیکھیں تو کیسے لگ رہے ہیں۔" میشا کا کام تقریباً ختم ہو چکا تھا سو اب داد سمیٹنا چاہ رہی تھی۔ ایمن نے دیکھا چمکتے پینٹ میں رنگے گملے اور آب خورے واقعی بہت دلکش لگ رہے تھے۔

"واہ بھئی مان گئے۔ بہت خوب صورت لگ رہے ہیں۔" ایمن کی تعریف پر کھل کر مسکرائی۔

"ڈراموں میں ایسے ہی آب خورے لٹک رہے ہوتے ہیں، نارنگ برنگے سے۔" دیکھیے اب یہ بھی ویسے ہی لگ رہے ہیں۔ آخر میں نے اتنی محنت جو کی ہے۔"

اس کی اتراہٹ میں معصومیت سی تھی۔

"چلو اب سمیٹو یہ سب اور ہٹاؤ جا کر۔"

بجائے تعریف کے اماں نے حکم دیا تو اچھل پڑی۔ نہانے سے جان جو جاتی تھی۔

"اماں! کل نہالوں گی نا....."

"کوئی نہیں۔ پانی گرم ہے نہا کر دھوپ میں بیٹھ جانا۔ اب کوئی بہانہ نہیں۔"

اماں کے دو ٹوک انداز پر وہ مرے مرے ہاتھوں سے سب اٹھانے لگی۔ ایمن سوچوں میں گم تھی۔ نجانے حالات کب ٹھیک ہوں گے۔

شادی کے بعد جاوید نے ابا سے کاروبار کے نام پر ایک بڑی رقم لی تھی جو ابا نے ان تینوں کی شادیوں کے لیے رکھی تھی۔ ثروت کے دباؤ اور اصرار پر جاوید بھائی نے اپنے سالے کے ساتھ مل کر ایک سائیڈ بزنس شروع کیا۔ شروع شروع میں نفع دینے کے بعد وہ کام ایک دم سے ٹھپ ہو گیا پھر تیسرا پارٹنر سارا پیسا لے کر بھاگ گیا۔ یوں ساری رقم ہی ڈوب گئی۔ اب ابا بالکل ہی خالی ہاتھوں تھے۔

میشا نہانے کے بعد چائے کا مگ لے کر چھت پر چلی گئی تھی۔ ابا نماز پڑھ کر مسجد سے آئے تو پھوپھو کے حوالے سے بڑے فکر مند تھے۔

"عابدہ کا کوئی فون نہیں آیا کل سے میں نے ایک دو بار ملایا بھی جہان کو مگر رابطہ نہ ہو سکا۔"

پھوپھو کل سے جہانداد کے ساتھ کراچی گئی ہوئی تھیں۔ تاکہ وہاں جا کر ان سب سے بات کر سکیں۔ جہانداد کو انہوں نے بڑی مشکل سے ساتھ جانے پر آمادہ کیا تھا۔ ابا فکر مند تھے جانتے تھے کہ پھوپھو کیسی سادہ یا مروت رہی تھیں جبکہ جہانداد، عجیبہ کے مطالبات کو لے کر بہت غصے میں تھا نجانے حالات کس کروٹ بیٹھیں۔

"فکر تو مجھے بھی ہو رہی ہے۔ حالات تو بہت بگڑے ہوئے ہیں۔ دونوں طرف سے لچک کا مظاہرہ ہی واحد حل ہے۔ اللہ کرے کہ وہ لوگ مان جائیں تو عابدہ کی بھی سختی معاف ہو۔"

"آمین! تم کھانا لگواؤ پھر میں دوبارہ فون کرتا ہوں۔"

اماں نے مہروش کو آواز دی۔ وہ نماز پڑھنے کے بعد کچن میں ہی تھی۔

باہر تخت پر ہی کھانا چن دیا گیا۔ میشا اوپر سے آئی تو لاڈ سے ابا کے گلے سے لٹک گئی۔ وہ اپنے کارنامے کی داد لینا چاہ رہی تھی۔ ابا بہت خوش ہوئے اسے پیار کیا اور انعام بھی دیا۔ انہی خوش گوار باتوں کے درمیان کھانا کھایا گیا۔

کھانے کے بعد ابا نے فون ملایا مگر وہاں سے فون بند آ رہا تھا۔ وہ فکر مند سے ہوتے کمرے میں آرام کرنے چلے گئے۔ میشا اپنے گملوں کا جائزہ لینے میں مصروف ہو گئی تھی۔ مہروش تخت پر نیم دراز ڈائجسٹ پڑھنے لگی۔ ایمن اس وقت کھانے کے برتن دھو رہی تھی۔ اتوار کو جتنا ہو سکتا وہ مہروش کی مدد کرا دیتی تھی۔ اسے احساس تھا کہ گھر کی ساری ذمہ داری ہی اس اکیلی کے کندھوں پر ہے۔ میشا موڈی تھی۔ دل چاہتا تو کام کر لیتی اور اماں کو بلڈ پریشر کے مرض نے پریشان کر رکھا تھا۔

اس وقت بھی وہ برتن دھو کر قہوہ بنا لائی۔ ابا، اماں کو ان کے کمرے میں دے کر وہ ٹرے میں ان

www.dailyurdubooks.com
DAILY URDU Books

کے لیے مگ رکھ آئی تو مہروش نیم غنودگی میں ڈائجسٹ منہ پر رکھے نرم گرم سی دھوپ میں اونگھ رہی تھی۔ ساتھ والے گھر سے برتن گرنے پھر بچے کی چیخنے کی آواز پر وہ یکدم سے بیدار ہوئی تو ایمن کو تخت کے کونے پر بیٹھا دیکھ کر وہ کروٹ لے کر سائیڈ پر ہوگئی تاکہ اس کے لیے بھی جگہ بن جائے۔

''نیند آرہی ہے تمہیں؟ لگتا ہے میشا کا اثر تم پر بھی ہوگیا ہے۔'' وہ شرارتی انداز میں مسکرائی۔ مہروش پھیکی سی ہنسی ہنس دی۔

''نیندیں تو کب کی خواب ہوچکی ہیں۔ اب تو بس چند ثانیے کو پلکیں موند لیتی ہوں اس امید پر کہ شاید آنکھ کھلنے پر سب بدل جائے۔''

''زندگی صرف ایک سانحے سے ختم نہیں ہو جاتی۔ جو آپ کی قدر نہ کرسکا اسے یاد رکھنا بھی اپنی ذات کی توہین ہے۔'' کپ اس کی طرف بڑھاتے ایمن نے سنجیدگی سے کہا۔

''اسے کون یاد رکھ رہا ہے۔ میں تو اس تذلیل کو بھول نہیں پا رہی جواب تک میرے کردار پر سوالیہ نشان بن کر فضا میں بازگشت کر رہی ہے۔''

تلخی ورنج کے ملے جلے لہجے میں کہتے وہ اٹھ بیٹھی پھر کپ اس کے ہاتھوں سے لے کر اس نے سر اٹھا کر نیلے وسیع آسمان کو دیکھا۔ سردیوں کی مخصوص دھوپ میں رنگا وہ فلک پیلا سا دکھائی دے رہا تھا۔ یا شاید رنگوں کی پہچان وہ کھوتی جا رہی تھی۔ اس نے سر جھٹکا۔ اسی لمحے دروازے پر تیز دستک ہوئی۔ دونوں نے ایک دوسرے کو سوالیہ انداز میں دیکھا۔ دستک کا انداز عجیب نامانوس سا تھا، تیز اور ناگوار سا۔ میشا اٹھ کر دروازہ کھولنے لگی مگر نجانے کیوں ایمن نے روک دیا۔ دستک مسلسل تیز ہوتی جا رہی تھی۔

☆☆☆

ان چند دنوں میں اوپر تلے تین ہونے والے حادثات نے سارے گھر کو عجیب سی چپ میں مبتلا کر دیا تھا۔

اتوار کو بھابھی اور ان کے بھائیوں نے ایک دم سے گھر میں دھاوا بول دیا تھا۔ تیز اور مسلسل دستک پر ابا کمرے سے نکل آئے تھے۔ پیچھے پیچھے پریشان سی اماں بھی تھیں۔ آنے والے بھابھی کے بھائیوں نے ایک دم ہی گھر میں گھس کر بھابھی کا سامان اٹھانا شروع کردیا۔

بھابھی بغیر کسی سلام دعا کے تیوری چڑھائے بھائیوں کے ساتھ آئے مزدوروں سے اپنا سارا سامان اٹھوانے لگیں۔ وہ تینوں اماں کو لے کر کمرے میں چلی گئیں، ابا ہک دک سے ان کے بگڑے تیور اور بدلحاظ انداز ملاحظہ کرتے رہے۔ ایمن نے اندر جا کر جاوید کو فون کردیا۔ وہ سن کر حیران رہ گیا۔ اسے خود کچھ علم نہ تھا وہ جلدی سے گھر آنے کا کہہ کر فون بند کر گیا۔ اماں اس شور شرابے پر اندر بیٹھے ہوئے روتی رہیں، میشا سہمی ہوئی سی اماں کے پہلو سے چپکی ہوئی بے چینی سے جاوید بھائی کے آنے کا انتظار کر رہی تھی۔ خود ایمن لبوں پر ہاتھ رکھے اس ساری صورت حال پر ششدر سی تھی۔ واحد مہروش تھی جو قدرے لاتعلقی سی مگر بظاہر حوصلے سے اماں کو سنبھال رہی تھی۔

جاوید بھائی آئے تو ان کی ثروت بھابھی اور ان کے بھائیوں سے منہ ماری ہوگئی۔ نوبت ہاتھا پائی تک جا پہنچی اگر ابا اور محلے کے دیگر افراد اس گرما گرمی کی صورت حال کا اندازہ کر کے اندر آ کر بیچ بچاؤ نہ کراتے۔ وہ جاوید بھائی جن کی اونچی آواز تک کسی نے نہ سنی تھی آج گرج رہے تھے۔ اندر میشا تھر تھر کانپ رہی تھی۔ اماں کا بلڈ پریشر خطرناک حد تک بڑھ گیا تو ان سب کو ہاتھ پاؤں پڑ گئے۔ جلدی سے ابا کو اندر بلایا گیا۔ وہ دن جو شروع تو خوشگوار انداز میں ہوا تھا۔ اس کا اختتام انتہائی بھیانک ہوا تھا۔

جاوید بھائی اماں کو اسپتال لے گئے دو دن اماں وہاں رہیں گھر میں محلے والوں کا تانتا بندھا رہا۔ اماں کو بے عزتی کا غم اندر سے مسلسل کھائے جا رہا تھا۔ جس گھر سے کبھی ان کی اونچی آواز کسی نے نہ

www.dailyurdubooks.com
URDU BOOKS DAILY

سنی تھی آج اس گھر میں کیا ہنگامے ہوئے کہ غیر مرد تک اندر گھس آئے۔

گھر آ کر انہیں چپ سی لگ گئی۔ ایمن ہاسپٹل میں اماں کے ساتھ رہی۔ میشا نے کالج سے چھٹی کر لی۔ وہ مسلسل مہروش کے ساتھ ساتھ چپکی رہی۔ اس دوران جاوید بھائی نے بھابھی کو طلاق دینے کی بات کر کے ابا کو مزید پریشان و غضب ناک کر دیا۔ پہلی بار ابا کا جلال دیکھ کر جاوید بھائی بھی ڈر گئے۔ فی الحال تو یہ مسئلہ اماں کی وجہ سے دب گیا۔ اسی دوران پھوپھو بھی کراچی سے آ گئی تھیں انہیں جب اماں کی طبیعت اور اس ہنگامے کا علم ہوا تو دوڑی چلی آئیں۔ خود پھوپو کی حالت بھی ٹھیک نہیں لگ رہی تھی۔ ان کا مرجھایا چہرہ۔ متورم آنکھیں چیخ چیخ کر حالات کی خرابی کی طرف اشارہ کر رہی تھیں مگر وہ چپ ہی رہیں اور اماں کو تسلی اور دلاسے دیتی رہیں۔

آپا، بھائی جان، جگنو، سارہ اماں کو بہلانے کو کتنے چکر لگاتے مگر اس بار اماں کو کوئی کوشش بھی نارمل نہیں کر پا رہی تھی۔ وہ سوچتیں اگر اس وقت ابا بھی گھر پر نہ ہوتے تو وہ ان کی بیٹیاں کیا کرتیں؟ ساری زندگی وضعداری میں گزاری تھی، جھگڑا فساد سے کوسوں دور۔ برسوں سے اس محلے میں رہ رہے تھے آج تک کسی کی جرات نہ ہوئی کہ وہ یہ دروازہ پار کرتا۔ سب ان کی اور ابا کی عزت کرتے تھے مگر آج کیسے پرائے مرد گھر میں گھسے چلے آئے تھے۔ یہ سوچیں ان کو ٹھیک ہونے نہیں دے رہی تھیں۔

☆☆☆

آج پھوپو رہنے آئی تھیں۔ اماں کی بیماری انہیں بہت دکھی کر رہی تھی۔ اماں نے انہیں کبھی نند نہیں سمجھا ہمیشہ اپنی چھوٹی بہن کی طرح ان سے سلوک کیا تھا۔ اب اماں کو اس حالت میں ان کے ساتھ ضرورت تھی۔ ابھی ابھی پھوپو اماں کو دوا کھلا کر باہر صحن میں آ بیٹھی تھیں جب ابا ان کے پاس آ بیٹھے وہ جانتے تھے کہ وہ اندر ہی اندر پریشان تھیں۔ ابا کی تسلی اور پیار بھرے انداز پر وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دیں۔

کراچی میں بات اتنی بڑھی کہ عبیہ نے طلاق کا مطالبہ کر دیا اور جہانداد نے بھی کھڑے کھڑے اسے طلاق دے دی۔ اس بات پر وہاں بہت ہنگامہ ہوا ان کی ساس اور جیٹھ نے بجائے اپنی بیٹی کی غلطی ماننے کے سارا ملبہ ان پر ڈال دیا اور ان سے لاتعلقی کا اعلان کرتے ہوئے سارے خاندان و برادری سے بھی ان کے بائیکاٹ کا کہہ دیا تھا۔ جہانداد انہیں اسی وقت وہاں سے لے کر چلا گیا۔ وہ سارا راستہ روتی رہی تھیں۔ انہیں جہانداد سے اس حماقت اور انتہائی اقدام کی امید نہ تھی وہ کب اس کا گھر برباد کرنا چاہتی تھیں۔ ابا خاموشی سے سنتے رہے۔ پر ساری باتیں جہانداد انہیں بتا چکا تھا مگر اصل بات کیا تھی؟ یہ پھوپھو نہیں جانتی تھیں اس کا علم صرف ابا کو ہی تھا۔

"عبیہ جس دفتر میں کام کرتی ہے وہاں میرا دوست بھی ملازم ہے ماموں جان! اس نے مجھے بتایا تھا کہ عبیہ کسی دوسرے لڑکے میں انوالو ہو چکی ہے۔"

جہانداد نے حتی الامکان لفظوں کو سیدھا و صاف رکھا مگر اس کے تنے عضلات ابا کو ساری حقیقت بتا گئے۔

"میں صرف کہنے پر یقین کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ میں باقاعدہ خود کئی بار کراچی گیا اور اسے اس لڑکے کے ساتھ گھومتے پھرتے دیکھا تو اس بیان کی تصدیق ہو گئی پھر عبیہ کو ٹٹولنے پر اتنا تو میں سمجھ ہی گیا کہ یہ ساری شرائط جو وہ رکھ رہی ہے محض دکھاوا ہیں تاکہ میں اسے خود سے چھوڑ دوں اور سارا الزام میرے سر پر رکھ کر وہ خود بری الذمہ ہو جائے۔ ماموں میں اتنا بڑا فیصلہ کبھی نہ کرتا اگر وہ واقعی صرف مجھ سے مخلص ہوتی مگر میری غیرت یہ گوارا نہیں کر سکتی کہ وہ میری امانت ہو کر یوں پارکوں اور چوراہوں میں میری عزت تار تار کرے۔ جب وہ ہی مجھ سے خلاصی چاہ رہی تھی تو پھر میں اسے کیوں زبردستی باندھے رکھتا۔"

اس کی لہو رنگ آنکھیں اور ماتھے پر ابھرنے

www.dailyurdubooks.com

والی رگ ضبط سے پھڑ پھڑا رہی تھی۔ ابا نے اسے گلے سے لگا لیا تھا انہیں جہانداد ہمیشہ سے عزیز تھا۔ اب جب کہ اسے بھی کسی کندھے کی ضرورت تھی ابا نے اپنی بانہیں وا کر کے اسے سینے سے لگا لیا۔ اس وقت پھوپھو کو ساری بات بتاتے ابا انہیں بھی دلاسا دے رہے تھے جو حقیقت جان کر رنج و حیرت سے ششدر تھیں۔

پھر اسی شام مرتضیٰ بھائی کی ایکسیڈنٹ کی خبر انہیں سب کو مزید توڑ گئی۔ ان کی ٹانگ کی ہڈی دو جگہ سے ٹوٹ گئی تھی۔ سر پر بھی چوٹیں آئی تھیں۔ آپا غم سے نڈھال تھیں، سارہ مسلسل ہی روتی رہی، مہروش اسے تسلی دیتی رہی۔ جگنو سرخ آنکھیں لیے جہانداد اور جاوید کے ساتھ مارا مارا پھر رہا تھا۔ اماں کو نہیں بتایا گیا تھا۔ پھوپو اماں کے ساتھ ساتھ تھیں۔ وہ مشکل دن کیسے گزرے یہ تو خدا جانتا تھا یا پھر وہ سب۔

ان پے در پے ٹوٹنے والی قیامتوں کو سوچ کر لگتا تھا کہ شاید زندگی میں اب کبھی کوئی رنگ کوئی خوشی نہیں آئے گی مگر۔

☆☆☆

سردیوں کی وہی مخصوص سہ پہر تھی جو شام میں ڈھلنے کی تیاری کر رہی تھی۔ میشا نے سیڑھیوں پر بیٹھے بیٹھے سر اٹھا کر دیواروں سے سرکتی کمزور سی زرد رو دھوپ کو دیکھا۔ مسجد سے عصر کی اذانوں کے بعد مخصوص تلاوت بھی کب کی ختم ہو چکی تھی۔

"کتنی خاموشی ہے ناں۔" سیڑھی پر گرے خشک پتے کو ہاتھوں سے مسلتے اس نے سوچا۔ تب ہی پھر سے ایک چڑیا دیوار سے اڑ کر نچلی سیڑھی پر آ بیٹھی۔ وہ زمین پر چونچ مار کر اپنا رزق تلاش کرنے لگی۔

میشا سر گھٹنوں پر رکھ کر محویت سے اسے دیکھے گئی۔ آج سے تین سال پہلے کی وہ سرما اسے آج بھی یاد آ کر اداس کر جاتی تھی مگر پھر خود بخود ایک امید سے بھری مسکراہٹ اس اداسی کی جگہ لے لیتی۔ تب زندگی جیسے جام سی ہو گئی تھی۔ وقت کا نقطہ فقط تفکرات اور پریشانیوں پر آ کر رک سا گیا تھا مگر اللہ کبھی اپنے بندوں کو ہمت سے زیادہ نہیں آزماتا۔

جاوید بھائی نے اس وقت صحیح معنوں میں اس گھر کا بیٹا بن کر دکھایا۔ اماں سے حادثے کی خبر زیادہ دیر چھپائی تو نہیں جا سکتی تھی مگر حیرت انگیز طور پر اماں یہ خبر سن کر ایک نئے عزم و حوصلے سے بستر سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔ تب ان دنوں آپا کو اماں نے بہت سنبھالا۔ تسلی اور امید کے دلاسوں سے انہیں صبر سے دعا کرنے کو کہا۔ جاوید بھائی اور جہان نے مل کر دن رات ایک کر کے مرتضیٰ بھائی کی خدمت کی۔ ان کے آپریشن کے سارے اخراجات سب نے مل جل کر برداشت کیے۔

جاوید بھائی اور ثروت بھابھی کا معاملہ ابا نے یوں حل کیا کہ جاوید بھائی کو گھر سے الگ کر دیا وہ اس پر راضی نہ تھے اور بہت ناراض ہوئے ابا سے مگر ابا جانتے تھے کہ اس رسہ کشی میں ان کا بچہ رل جائے گا جو ابا نہیں چاہتے تھے۔ مرتضیٰ بھائی کی صحت یابی میں تقریباً سال سے زیادہ لگ گیا۔ ان کی جاب بھی چلی گئی۔ آپا کی ساری بچت، زیور اس دوران بک گیا۔ حالات اس نہج پر چلے گئے کہ جگنو نے تعلیم کو خیر باد کہہ کر کہیں کام پر لگنے کا تہیہ کر لیا۔ اس وقت جہان اور جاوید بھائی کے سمجھانے اور ڈانٹنے پر وہ چپ تو ہو گیا مگر وہ دیکھ رہا تھا کہ علاج پر پیسہ پانی کی طرح لگ رہا تھا اور ڈاکٹروں نے بھی کوئی زیادہ امید افزا جواب نہیں دیا تھا۔ اس صورت حال میں اس سولہ سالہ خوددار جگنو کے لیے یہ سب دیکھنا آسان نہ تھا۔ مگر ایمن کے مشورے پر ابا آپا کی فیملی کو اپنے گھر لے آئے۔

"ابا..... جاوید کے جانے کے بعد پچھلے دو کمرے خالی ہی پڑے ہیں۔ کیوں نا آپا کو ادھر لے آئیں اور ان کا گھر کرائے پر چڑھا دیں۔ اس طرح آمدن کا ایک مستقل ذریعہ ہو جائے گا اور آپا کی خود داری کو ٹھیس بھی نہیں لگے گی۔ دوسرے آپا کے ادھر آ جانے سے ہم سب لوگوں کو بھی بے فکری ہو جائے

www.dailyurdubooks.com
URDU BOOKS

گی آپا کو بھی دوسراہٹ کا احساس ہوگا اور مرتضیٰ بھائی بھی سب میں رہ کر خود کو زیادہ اچھا محسوس کریں گے۔"

آپا بڑی مشکل سے راضی ہوئیں مگر ابا کے مان بھرے اصرار پر وہ ادھر شفٹ ہوگئیں۔ یوں یہ بے آباد کمرے پھر سے آباد ہوگئے۔ جس کی سب سے زیادہ خوشی بیٹا کو تھی۔ آپا کو بھی اماں اور مہروش کا آسرا ہوگیا۔ ابا بھی مرتضیٰ بھائی کے پاس بیٹھے ان کا حوصلہ بڑھاتے رہتے جو اپنی بیماری اور معذوری کی وجہ سے بہت خاموش رہنے لگے تھے۔

مگر وقت کا کام گزرنا ہے سو گزرتا گیا۔ مرتضیٰ بھائی کی ٹانگ کا دوسرا آپریشن ہوا تو جاوید بھائی ابا سے ناراضی بھلائے ہسپتال آئے۔ ابا کے گلے لگ کر وہ بہت رنجیدہ سے ہوگئے خود ابا کی آنکھیں نم تھیں۔

"گھر آیا کرو بیٹا۔ تمہاری ماں کی آنکھیں دروازے سے ہٹتی نہیں گو کہ زبان سے وہ کچھ نہیں کہتی مگر دل میں اپنی ماں کی تڑپ کو چھپائے وہ صبر سے تمہاری منتظر ہے۔ ماں کے صبر کو نہیں آزمایا کرتے یار.....!"

ان کے کندھے کو تھپتھپاتے ابا کی یہ بات سن کر جاوید بھائی تڑپ گئے۔ اسی رات وہ گھر آئے تھے۔ اماں ماں کو گلے سے لگائے کتنی دیر بے آواز آنسو بہاتی رہیں یوں دلوں کی ساری رنجش اشکوں میں بہہ کر مطلع صاف کر گئی۔ اور اس کے اگلے دن جب جہانداد ہسپتال سے گھر مرتضیٰ بھائی کی ضرورت کی کچھ چیزیں لینے آیا تو کچن کے دروازے پر کھڑے اس نے رخ موڑے کھڑی مہروش کو ایک نظر دیکھا۔ جو توے پر روٹیاں ڈالتے ایمن سے کہہ رہی تھی۔

"زندگی کیسے موڑ پر آ گئی ہے۔ لگتا ہے اب کبھی بھی اس گھر پر خوشیاں نہیں اتریں گی بلکہ دکھوں اور مصائب کی بلا چاروں طرف سے کسی آسیب کی طرح اس چار دیواری کو اپنے حصار میں گھیرے رکھے گی تاوقتیکہ سب فنا نہ ہو جائے۔"

اس مایوسی بھری بات پر ایمن کچھ کہنے ہی والی تھی مگر جہاں نے آنکھوں سے اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

"ہر تاریکی کے بعد روشنی ضرور ہوتی ہے اگر امید نہ ہو تو زندگی زندان بن جائے حبس بھرا۔ گھٹن زدہ۔ گو کہ یہ بات مجھے اس موقع پر کہنی تو نہیں چاہیے مگر کیا ہے کہ بعض اوقات کسی خوش کن خبر کو سن کر شاید ہمارے حوصلوں کو نئی توانائی و زندگی مل جاتی ہے۔ مہروش، کیا تم ایک ایسے شخص کا ہاتھ تھامنا قبول کرو گے جسے کوئی اپنے زعم میں ٹھکرا چکا ہو۔ جو بظاہر سالم نظر آتا ہو مگر اس کی خودداری زخم زخم ہو چکی ہو کیونکہ سنا ہے کہ ایک زخم خوردہ دل دوسرے کا درد زیادہ اچھا سمجھتا ہے۔"

توے پر روٹی پڑے پڑے جل چکی تھی۔ مہروش رخ موڑے ششدر سی کھڑی تھی۔ جہان جواب کی امید لیے منتظر نگاہوں سے اس کی سمت دیکھے جا رہا تھا جبکہ ایمن شکر آمیز نگاہوں سے چہرے پر خوشی لیے ان دونوں کو مسکراتے ہوئے تکے جا رہی تھی۔ جہان کا انتخاب لاجواب تھا پھوپھو کو ایمن ہمیشہ اس کے لیے اچھی لگی تھی مگر جہانداد کا انتخاب مہروش ٹھہری۔ سادہ دل، خاموش اور خدمت گزار مہروش جو اپنے دامن پر لگے اس داغ کو مٹانے کی خواہش میں خود تھکی جا رہی تھی۔

اسی شام پھوپھو آئیں اور اپنا دامن مہروش کے لیے دراز کر دیا۔ اماں میں کسی نے نئی روح پھونک دی۔ ادھر انکار کسے تھا۔ ایمن نے مہروش کی رضامندی ابا کو بتا دی۔ جواب تک ششدر سی تھی۔ پھر مرتضیٰ بھائی کے آنے کے بعد چند مہینوں میں ہی مہروش، جہان کے سنگ سدھار گئی۔

جاوید بھائی نے اس موقع پر صحیح معنوں میں اس گھر کے بڑے بیٹے کا کردار نبھایا۔ ابا کے ہاتھ پر انہوں نے ایک خاصی تگڑی رقم رکھی۔ اس شادی پر ثروت بھابھی بھی آئیں۔ گو کہ ان کے سامنے

www.dailyurdubooks.com

انداز اوپر سے اوپر سے ہی تھے مگر اماں بڑی مروت سے یہ سب نظر انداز کر گئیں۔ مہروش کی زندگی جیسے ساری کی ساری ہی بدل گئی۔ جہان کی سنگت میں اس کا کھویا ہوا اعتماد اس کی طبیعت کی شوخی جیسے پھر سے لوٹ آئی۔ وہ اپنے گھر میں بہت خوش تھی۔

پھوپھو مطمئن تو جہان اپنے اس فیصلے پر اپنے رب کا شکر گزار تھا جس نے اسے اتنی محبت کرنے والی، سمجھ دار اور سلیقہ شعار بیوی جس میں ییشا کی جان تھی تو سارہ اس کی دیوانی۔

زندگی کا وہ مشکل دور ساتھ مل جل کر کٹ ہی گیا۔ جگنو جو جذباتی ہو کر پڑھائی چھوڑ دینا چاہتا تھا۔ اسے ایمن نے نرمی و پیار سے روک دیا۔

"یہ سب ایک قرض سمجھ لو جگنو، کل کو تم کسی قابل ہوئے تو سود سمیت لوں گی۔ حق سے اور مان سے۔"

اس کی خوب صورت، محبت بھری دھونس پر جگنو اس کا مان نہ توڑ سکا۔

مرتضیٰ بھائی رفتہ رفتہ بہتر ہو گئے۔ سارہ اور ییشا اکٹھے ہی کالج جاتیں۔ جاوید بھائی نے اب ثروت بھابھی کی پروا کرنا چھوڑ دی۔ وہ گھر کے خرچ کے لیے باقاعدگی سے اچھی خاصی رقم دینے لگے تھے۔ ثروت بھابھی نے اپنے پاؤں پر خود ہی کلہاڑی ماری تھی۔ شروع میں جاوید بھائی روز دفتر سے سیدھے ادھر آ جاتے مگر ابا کے سمجھانے پر وہ اب روزانہ رات کے کھانے کے بعد چائے ابا کے ساتھ ہی پیتے۔ جگنو پڑھائی کے ساتھ ساتھ مختلف کورسز کر رہا تھا۔ چند ایک اچھی ٹیوشنز اسے جہان نے دلوا دی تھیں۔ مرتضیٰ بھائی سب کے ممنون تھے خاص کر ایمن اور جہان کے۔ وہ اب دوبارہ سے جاب کر رہے تھے گو کہ اتنی اچھی تو نہیں مگر گزارہ اچھا ہی ہو رہا تھا۔

آپا لوگوں کو ابا نے واپس جانے نہیں دیا۔ کچھ مرتضیٰ بھائی بھی اصرار نہ کر سکے کیونکہ اس گھر کو اب صحیح معنوں میں ایک بیٹے کی ضرورت تھی کیونکہ..... کیونکہ ایمن کی شادی بھی ہو گئی تھی۔ جی ہاں ایمن بھی اب ایمن جہانزیب سے ایمن حسان بن کر اسلام آباد سدھاری۔

اللہ تعالیٰ نے اس کو اس کے صبر اور ریاضت کا بہترین صلہ حسان کے روپ میں دیا۔ وہ اب بھی شادی پر تیار نہ تھی مگر اس دفعہ جاوید نے جب اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر یہ کہا کہ۔

"میں، ہم سب تمہارے بہت قرض دار ہیں ایمن۔ اب موقع آیا ہے تو مجھے بھی اپنی ذمہ داریاں پوری کرنے دو۔ کیا تمہیں اپنے اس بھائی پر جو کہ کبھی تمہارا بہترین دوست بھی تھا۔ اتنا سا بھی اعتبار نہیں ہے! اگر نہیں تو انکار کر دو۔"

اور ایمن اس کی آنکھوں میں جھلکتے مان اور سچائی کو دیکھ کر ہار گئی۔

حسان ایمن کی پرسنل کا چھوٹا بھائی تھا۔ میڈم سائرہ ایک سیلف میڈ عورت تھیں جنہوں نے تن تنہا اپنے تین بہن بھائیوں کی پرورش کی۔ ماں باپ کے گزر جانے کے بعد انہوں نے بہت سخت وقت دیکھا تھا۔ محنت کی مشقت کی اور آج وہ سب کو اپنے مقام پر پہنچانے میں کامیاب ہو گئیں۔ خود انہوں نے شادی نہیں کی۔ چھوٹی دو بہنیں بیاہ چکی تھیں جبکہ بھائی کے لیے وہ ایمن جیسی ہی لڑکی کی تلاش میں تھیں۔ جو رشتے نبھانا جانتی ہو۔ جو سخت حالات میں بھی نرم ڈالی کی مانند رہے۔ حسان ایک بہت اچھی پوسٹ پر تھا۔ اسلام آباد میں پوسٹنگ کے ساتھ اسے وہاں بنگلہ اور گاڑی بھی ملی تھی۔ سائرہ بھی چند ماہ پہلے ریٹائرڈ ہو کر اسلام آباد سدھاری تھیں جہاں موجود ایمن نے حقیقی معنوں میں انہیں سکھ پہنچایا تھا۔

جاب ایمن کی جاری تھی۔ اس کی یہ شرط بھی انہوں نے مان لی تھی کہ وہ جاب جاری رکھے گی اور حسان کو اس کی اپنی فیملی کو سپورٹ کرنے پر کوئی اعتراض نہ تھا۔ شادی کے چند مہینے ادھر گزار

www.dailyurdubooks.com
URDU DAILY BOOKS

کرحسان نے اس کا ٹرانسفر اسلام آباد کروالیا تھا سو وہ اب ان سے دور چلی گئی تھی سب کی زندگیاں سیٹل ہو رہی تھیں۔

ثروت بھابھی کے جڑواں بچیاں ہوئیں تو نجانے کیا سوچ کر وہ لرز گئیں۔ شاید اپنی زیادتیاں اور بڑے بول انہیں یاد آ گئے۔ اب وہ بھی کبھی کبھار آ جاتیں۔ تو اماں ابا سب بھلا کر کھلے دل سے ان کا استقبال کرتے۔ رہ گئی میشا تو اب بی۔ اے فائنل ایئر میں آ گئی تھی مگر بقول جگنو کے۔

"عقلی لحاظ سے ان کی ترقی نہیں ہو رہی تھی۔"

جس کی وجہ سے میشا چڑ جاتی اور مرتضیٰ بھائی زیر لب مسکراتے ہوئے جگنو کی خوب خبر لیتے۔ سارہ بھی میشا کی طرف داری میں بڑھ چڑھ کر بولتی۔

"کوئی نہیں، میشا تو اتنی ذمہ دار ہو گئی ہے۔ سارا گھر سنبھال رہی ہے۔"

بظاہر سنجیدگی سے کہتے وہ مسکراہٹ دباتی رہتی مگر اس میں سچ تو تھا۔ اماں ابا کے سارے کام اس نے اپنے ذمے لے رکھے تھے۔ کوکنگ بھی اچھی خاصی کر لیتی۔ اگر سردی زیادہ لگتی تو صبح ناشتا بنانا کون سا مشکل تھا۔ پر وہی اس کی طبیعت جو ہر موسم کی شدت کو شدت سے ہی محسوس کرتی۔

بھوری بلی دبے پاؤں صحن میں کودی تو میشا چونکی۔ بلی کا صاف باورچی خانے کا کھلا دروازہ تھا۔ میشا پھرتی سے "اشت اشت" کرتی اٹھی تو بلی بھاگ کر دیوار پر چڑھ کر دوسری سمت کود گئی۔

"ابھی سب چیزوں کا ستیاناس مار دیتی۔"

دروازے بند کرتے ہوئے اس نے شکر ادا کیا۔

گھر کا سناٹا اسے کھل رہا تھا۔ اماں، آپا اور سارہ بازار گئے ہوئے تھے۔ اسے بھی ساتھ چلنے کو کہا تھا پر اس کا دل نہ تھا۔ ابا حسب معمول باہر دوستوں میں، مرتضیٰ بھائی آفس اور جگنو ٹیوشنز دینے۔ اتنے میں دروازے پر ایک مخصوص دستک سنائی دی۔ میشا کا دل دھڑک اٹھا۔ اس نے بھاگ کر چٹخنی گرائی سامنے ایمن، مہروش جہانداد کے ساتھ کھڑے ہوئے مسکرا رہی تھیں۔ وہ خوشی سے چیخ پڑی۔

"آپ کو تو کل آنا تھا نا آپا.....!" وہ ایمن کے گلے سے لٹک گئی۔ ایمن اس کی ایکسائٹمنٹ پر مسکرا دی۔"

"سرپرائز بھئی۔ اگر آج نہ آتی تو تمہارے چہرے کی یہ خوشی کیسے دیکھ پاتی۔"

"بھئی، ہم بھی کھڑے ہیں راہوں میں۔" خوش دلی سے بولتے جہانداد نے چھوٹے شافع کو اس کی گود میں دیا۔ ایمن اپنے وجود کو چادر میں چھپائے تخت پر بیٹھ گئی۔ وہ امید سے تھی اور اس کے آنے کی خبر سن کر ہی اماں آپا کو لیے بازار گئی تھیں۔

میشا شافع کو پیار کر رہی تھی کہ کھلے دروازے سے اماں، آپا اور سارہ شاپرز اٹھائے اندر آئیں۔ ایمن کو دیکھ کر وہ سب بھی اتنی ہی خوش و حیران ہوئیں جتنی کہ میشا۔ ذرا سی دیر میں ابا اور جاوید بھائی بھی آ گئے۔ جہانداد بھائی پھوپھو کو بھی لے آئے۔ گھر میں ہر طرف آوازیں اور ہنسی بکھرنے لگی۔ وہی گھر جو ذرا دیر پہلے سناٹے کی چادر میں پڑا اونگھ رہا تھا اب زندگی سے بھرپور آوازوں سے آنکھیں ملتا ہوا جاگ گیا۔

آوازیں زندگی ہیں یہ اگر نہ ہوں تو حیات کے کان بہرے ہو جائیں۔

گھر کی در و دیوار نے بہت سی آوازیں سنی تھیں اور بہت سے رنگ دیکھے تھے مگر دکھ کا رنگ اترنے کے لیے ہوتا ہے۔ خوشی کا رنگ ضرور چڑھتا ہے دیر سویر تو ہو ہی جاتی ہے بس حوصلے زندہ رکھنے چاہئیں۔

☆☆

www.dailyurdubooks.com
URDU BOOKS DAILY